مسلسل اشاعت کا بیالیسواں سال

بیاد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

ماہنامہ الحق

503
جمادی الثانی، رجب ۱۴۲۸ھ
جولائی 2007ء

مدیر مسئول مولانا سمیع الحق

معاونین جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے ایک ضروری

اپیل

محترم! دارالعلوم حقانیہ کی علمی، ملی و دینی ہمہ گیر خدمات سے بحمداللہ آپ بخوبی واقف ہیں اور موجودہ پُرفتن دور میں ایسے مرکز علوم رسالت کی اہمیت وضرورت بھی آپ پر مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دعوت وتبلیغ، تعلیم وتدریس، اصلاح وارشاد اور جہاد کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کی ذمہ داری ملک و بیرون ملک فضلائے حقانیہ نے نہ سنبھالی ہو۔ صرف ایک جہاد افغانستان کو لیجئے تو دارالعلوم کے ہزاروں فضلاء اور طلباً نے اس صدی کے عظیم جہاد میں قائدانہ کردار ادا کیا جو تمام معاونین کے لئے تا قیامت صدقہ جاریہ بن رہا ہے۔

جامعہ حقانیہ اپنے تمام ترقی پذیر شعبوں میں خطیر مصارف (جو کہ تعمیراتی اخراجات کے علاوہ سالانہ واجبی مصارف سوا کروڑ سے متجاوز ہیں) کا محتاج ہے جبکہ دارالعلوم حکومتوں کے تعاون سے بھی بالکل بے نیاز ہے اور نہ ہی اس کے باضابطہ مستقل سفراء ہیں، صرف اور صرف آپ جیسے حساس دردمند اہل خیر معاونین کے مالی تعاون سے یہ سارا کارخانہ علوم نبوت چل رہا ہے۔ جس میں ڈھائی ہزار تک طلباً علوم نبویہ سے ہر سال مستفید ہوتے ہیں۔ ایسے نازک وقت میں آپکی توجہات کی مزید شدت سے ہمیں ضرورت ہے کہ خود اور اپنے زیر اثر حلقہ احباب واہل خیر میں بھی دارالعلوم کے مالی تعاون کے لئے سعی فرمائیں اور اللہ کے دین کے فروغ اور حق کی بالادستی کے لئے کوشاں اس ادارہ کی پہلے سے بڑھ چڑھ کر ہر ممکن تعاون، اور سرپرستی سے ممنون فرمائیں۔ **واجر کم علی اللہ۔**

ترسیل زر کا پتہ

(مولانا) سمیع الحق

مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

اکاؤنٹ نمبرز: یوبی ایل اکوڑہ خٹک 7 -01 نیشنل بینک اکوڑہ خٹک 5 - 17

مسلم کمرشل بینک جہانگیرہ 6 - 1120

Email: editor_alhaq@yahoo.com

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ

الحق

جلد نمبر ۔۔۔۔۔ 42

شمارہ نمبر ۔۔۔۔۔ 10

جمادی الثانی/رجب ۱۴۲۸ھ

جولائی ۔۔۔۔۔ ۲۰۰۷ء

قرآن اکیڈمی لاہور
4/8/07
اکوڑہ خٹک

مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

نگران
حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ

مدیر
حافظ راشد الحق سمیع حقانی

ناظم شفیق الدین فاروقی

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز: لہورنگ لال مسجد کا المناک حادثہ۔ چیف جسٹس آف پاکستان کی بحالی کا فیصلہ، عدلیہ
کی آزادی کی سمت پہلا قدم .... راشد الحق سمیع حقانی ۲

اسلامی معاشرہ کے لازمی خدوخال (درس ترمذی) .... حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ ۶

والدہ، اسلامی تہذیب وثقافت اور مسلم خاندانی نظام کی بنیاد ...... مولانا محمد انوار الحق صاحب مدظلہ ۱۳

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ احوال وخدمات اور کمالات کی ایک جھلک ...... مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی ۲۰

فقہ اسلامی کی تشکیل جدید میں اصول وکلیات کی اہمیت .... جناب محمد یونس میو ۲۹

جامعہ حفصہ۔ خدمات کو نظرانداز نہ کیجئے .... پروفیسر رشید احمد انگوی ۴۱

انسانی حقوق اسلامی تناظر میں .... مولانا محمد جسیم الدین قاسمی ۴۵

سفرنامہ ایران .... مولانا عرفان الحق حقانی ۵۳

دارالعلوم کے شب و روز .... جناب شفیق الدین فاروقی ۶۰

تبصرہ کتب .... ادارہ ۶۲

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار حضرات کے خیالات وآراء سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان۔ فون نمبر (0923)630340-630435

ای میل: E mail: editor_alhaq@yahoo.com

سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ -/20 روپے سالانہ -/200، بیرون ملک 20$ امریکی ڈالر

کمپوزنگ: بابر حنیف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش آغاز

راشد الحق سمیع حقانی

لہو رنگ لال مسجد کا المناک حادثہ

بالآخر ظالم و جابر حکمرانوں نے لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ پر قیامت بپا کر ہی دی۔ سینکڑوں بے گناہ و معصوم طلباء و طالبات کو صرف اس جرم کی پاداش میں آگ و خون کی نذر کر دیا گیا کہ انہوں نے عملاً کیوں نفاذ اسلام کے لئے تحریک چلانا شروع کی اور ایک آمر مطلق کے سامنے کلمہ حق کی اذانوں سے دارالخلافہ اسلام آباد کی گناہوں سے بھری فضاء کو کیوں لرزا دیا؟ جامعہ حفصہؓ اور لال مسجد کے ارباب اختیار مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبدالرشید شہید کے طریقہ کار و لائحہ عمل سے اگرچہ علماء کرام کو اختلاف رہا لیکن ان کے اخلاص، دینی حمیت، جذبہ جہاد سے وابستگی اور غلبہ اسلام کے لئے اس گھرانے کی پوری زندگی اس بات پر گواہ ہے کہ وہ اسلام کے سچے شیدائی تھے۔ ان کی صدق و صفا پر مبنی تحریک میں در پردہ کوئی سیاسی عزائم و مقاصد پنہاں نہ تھے۔ نہ ہی دنیائی جاہ و منصب ان کا مطمح نظر تھا۔ اس خاندان کی ساری زندگی کھلی کتاب کی مانند ہے۔ ان کا کل اثاثہ مدرسے میں قائم ایک دو کوارٹر نما گھر تھے۔ گو کہ جنرل ضیاء الحق اور اکثر ارباب اقتدار کا اس گھرانے سے عقیدت و محبت کا گہرا تعلق تھا۔ لیکن ان بوریا نشینوں نے اس تعلق سے کبھی کوئی دنیاوی مقاصد حاصل نہیں کئے۔ جنرل مشرف کے آمرانہ اور اسلام دشمن اقدامات پر یوں تو تمام دینی طبقات اور پاکستانی عوام عموماً روز اول ہی سے آتش بجاں تھے لیکن غازی برادران کا پیچ و تاب اور سوز و ساز اندر ہی اندر سلگتے بالآخر ایک آتش فشاں کی صورت میں ابل کر پھٹ پڑا۔ مذہبی اور سیاسی جماعتوں کا حکومت کے ساتھ مصلحت آمیز رویہ اور علماء کرام کی گوشہ نشینی نے بھی ان کو کافی بددل کر دیا تھا اور یہ حضرات بالآخر اس نتیجے پر پہنچ گئے تھے کہ اگر اس حکومت کے خلاف عملاً جدوجہد کا آغاز نہ کیا گیا تو کچھ ہی عرصہ میں یہ امریکی نواز حکومت مساجد کے انہدام کے بعد پورے ملک میں مدارس اور شعائر اللہ کی بیخ کنی کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دے گی اور پاکستان کو دوسرا تاشقند و اسپین بنا دیا جائے گا۔ اسی لئے انہوں نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے اپنی تحریک شروع کی۔ (اگرچہ اس سلسلے میں انہوں نے باقی علماء کرام وغیرہ سے کوئی مشاورت نہیں کی جس کا انہیں کافی نقصان بھی اٹھانا پڑا) اس تحریک پر تفصیل سے یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں کہ حالات و واقعات میڈیا کے اس طاقتور دور میں سب کے سامنے آشکارا ہیں۔ یہاں پر ان شہیدوں کی یاد میں چند آنسوؤں کا نذرانہ شکستہ خاطر اور شکستہ قلم سے پیش خدمت ہے اور کچھ شکوے اور آہیں ہیں جو اپنوں اور بیگانوں سے دل نہ چاہتے ہوئے بھی کرنے پر مجبور ہے۔ کیونکہ

مرا در دیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

سانحہ لال مسجد پاکستانی تاریخ کا وہ شرمناک' خوں آشام اور جگر دوز واقعہ ہے جس کے چھینٹوں نے پاکستان کے چہرے کو مزید داغدار کر دیا ہے۔ سینکڑوں معصوم شہید طلباء و طالبات کا خون قیامت تک اٹھ اٹھ کر اس کا منہ چڑائے گا۔ خانہء خدا کی بربادی اور اس کی سوختہ سامانی کرنے والوں نے اپنے مقدر کے علاوہ پاکستان کے مقدر میں بھی سیاہی بھر دی ہے اور ظلم کے گھٹا ٹوپ اندھیروں اور جبر کی شب کی سیاہی بہہ بہہ کر حکمرانوں کے منحوس قاتل چہروں کو اور بھی مسخ کر رہی ہے۔ لال مسجد کے در و دیوار اور میناروں پر خون کی ہولی کھیل کر اسے معصوم جانوں کے خون مقدس سے لہولال اور جامعہ حفصہؓ کی عظیم عمارت کو پیوند خاک کر دیا گیا۔ اور قرآن و حدیث کے مقدس اوراق کی بے حرمتی کی گئی۔ الغرض پاکستانی فوج نے وہ کردار ادا کیا جس کے سامنے امریکی افواج کے ظلم و ستم بھی شرمندہ ہیں۔

الغرض　　ع　　وہ حبس ہے کہ لو کی دعا مانگتے ہیں لوگ

حکمرانوں نے امریکہ اور مغرب کو خوش کرنے کی خاطر ہزاروں بے گناہ طلباء و طالبات کو مدرسے و مسجد میں محصور کر کے ان پر پانی' بجلی' گیس اور رزق کئی دنوں تک بند رکھا اور ان خدا مست دیوانوں نے تب بھی گھٹنے نہ ٹیکے تو تب پاکستان کی ''بہادر وغیور'' فوج نے لال مسجد کو بھارت کا لال قلعہ سمجھ کر اس پر مسلسل آٹھ دن تک بمباری اور خطرناک شیلنگ کی' اور فاسفورس و دیگر انتہائی مہلک جان لیوا گیسوں کے ذریعے ان کو شہید کیا گیا۔ جس کے نتیجے میں ہزار بارہ سو کے لگ بھگ طلباء و طالبات جان بحق ہو گئے۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ان کی لاشیں لواحقین کو اب تک واپس نہیں کی جا رہیں۔ سینکڑوں طلباء کو کھاریاں کے قریب ویرانوں میں اجتماعی قبروں میں دفن کر دیا گیا ہے اور سینکڑوں کو اسلام آباد اور اس کے نزدیکی علاقوں میں غائب کرا دیا گیا ہے۔ کیونکہ ان کی لاشیں جل گئی تھیں اور کیمیائی و مہلک گیسوں نے ان کے اجسام کو پگھلا دیا تھا۔ ''روشن خیالوں'' کی اس سے بڑھ کر ''روشن خیالی'' اور ''وسعت ظرفی'' کیا ہو گی......؟ اب بھی سینکڑوں طلباء و طالبات جیل کی سلاخوں میں ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں پابند سلاسل ہیں۔ اکبر مرحوم نے ہمارے زمانے کے طالب علموں کے بارے میں ہی شاید یہ شعر کہا تھا:

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں　　کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

اس سے بڑا ظلم پھر یہ ہوا کہ کسی بھی سیاسی و مذہبی جماعت نے دوطرفہ مذاکرات میں صرف واجبی شمولیت یا زیادہ سے زیادہ لال مسجد سے باہر فوٹو سیشن کے علاوہ کوئی بڑا اقدام کرنا مناسب نہ سمجھا۔ (البتہ راولپنڈی اسلام آباد کے علماء کی نمائندہ تنظیم جمعیت اہل سنت والجماعۃ کی کارکردگی اور کوششیں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔) اگر بروقت وفاق المدارس العربیہ بھی ملک بھر کے مدارس کے لاکھوں طلباء کو احتجاج کیلئے سڑکوں پر بیک وقت لاتی تو یہ تاریخی قتلِ عام کرانے کی حکمرانوں کو رتی بھر بھی جرات نہ ہوتی۔ پھر اس کے علاوہ ایم ایم اے کے ''انقلابی'' ''دردمند'' اور علماء و طلباء اور دینی طبقے کے ''آئیڈیل'' رہنما بھی عین اسی نازک مرحلے پر لندن کی لاحاصل اور بے نتیجہ اے۔ پی۔ سی میں شرکت کیلئے

راتوں رات انگلستان نکل گئے۔ کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ معصوم حفاظ طلباء و طالبات کے سروں پر قیامت کا سورج طلوع ہونے ہی والا ہے۔ افسوس صد افسوس ان لیڈروں پر جو مغربی اور لادین جمہوریت کی نام نہاد تحریک میں ''نیم دلانہ'' شرکت پر ''تشریف'' لے گئے۔ اگر ایم ایم اے پرویز مشرف کو یہ دھمکی دیتی کہ تم نے آپریشن نہ روکا تو ہم سرحد بلوچستان کی حکومت کو نہ صرف ختم کردیں گے بلکہ ملک میں ایسی سیاسی شورش برپا کردیں گے کہ تمہارے اقتدار کے قصر کی دھجیاں اڑا دیں گے۔ لیکن مصلحت آمیز اور اقتدار کے دلدادہ لیڈران نے صرف اخباری بیانات تک اپنی توپوں کا رخ پھیرے رکھا۔ ؎ کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز　　اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا؟

لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ کی اینٹ سے اینٹ بجانے والے حکمران اور فوجی کمانڈو معلوم نہیں اس قیامت کو بپا کرنے کے بعد کس طرح چین و سکون کی نیند سو گئے؟ ع　　بارے آرام سے ہیں اہل جفا میرے بعد

لیکن کم سے کم سارا پاکستان تو اس خونی حادثہ کے بعد کئی روز تک اپنے ہوش و حواس اور آرام و نیند گنوا بیٹھا ہے۔ نمناک آنکھوں نے اس واقعہ کرب و بلا پر آنسوؤں کی ایسی برسات برسائی کہ اس موسم برسات کی فیاضی بھی اسکے سامنے پانی پانی ہوگئی۔ ؎ وحشت کو میرے عرصہ آفاق تنگ تھا　　دریا زمین کو عرق انفعال ہے

شاعر اسلام علامہ اقبالؒ نے طرابلس اور عالم اسلام کی قابل فخر بیٹی شہید فاطمہ کو کس قدر قابل تحسین اور قابل فخر کلمات سے نوازا تھا ' آج اگر علامہ مرحوم حیات ہوتے تو اپنے ملک پاکستان کی بہادر بیٹیوں کی جرات وایثار پر کتنے نازاں ہوتے' اور ان کی شہادت پر کس قدر دل گرفتہ ہوتے؟

جامعہ حفصہؓ کے ان معصوم طلباء و طالبات کو سلام ہو جنہوں نے اپنی حسرتوں' معصوم تمناؤں اور حتیٰ کہ جانوں کا نذرانہ دے کر دینی مدارس اور اسلام کا سر فخر سے بلند کردیا۔ عجب نہیں کہ ان بے گناہ و پاکیزہ شہید' قابل رشک طالبات کو فرشتے بھی سلام کہتے ہوں گے جنہوں نے اپنی ہتھیلیوں کو مہندی میں رنگنے کے بجائے خون سے رنگین کردیا اور چوڑیوں کی بجائے جنہوں نے ہتھکڑیوں کو اپنے لئے زیور منتخب کیا اور ڈولیوں میں بیٹھنے کی بجائے اپنے لئے قبروں کی لحدوں کا انتخاب کیا۔ باحیاء اور برقعہ پوش خواتین جل کر راکھ ہوگئیں لیکن انہوں نے پردے اور برقعہ کی لاج رکھتے ہوئے ظالم حکمرانوں کے سامنے سرینڈر نہیں کیا اور معصوم باحیا لڑکیوں نے جرات و بہادری کی ایسی ایسی مثالیں اس موقع پر قائم کیں کہ صحابیات کی قربانیوں کی داستان ایک بار پھر نئی آب و تاب کے سامنے نمودار ہوگئیں۔ ظالم حکمران اس موقع پر یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ کسی کی فتح اور شکست نہیں لیکن ہم یہاں پر یہ واضح کرتے ہیں کہ یہ حق کی فتح اور تمہاری شکست ہے۔ ان شہیدوں کے خون سے رنگین لال مسجد کا رنگ چاہے تم لاکھ دفعہ مٹانے کی کوشش کرو' انشاء اللہ یہ خون کبھی نہ کبھی اور کسی نہ کسی صورت میں نمودار ہوگا اور تم سب حکمران اسکے سامنے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے غروب اور فنا کے گھاٹ اتر جاؤ گے۔ ؎ بناہ کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن　　خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

چیف جسٹس آف پاکستان کی بحالی کا فیصلہ

عدلیہ کی آزادی کی سمت پہلا قدم

۲۰ رجولائی ۲۰۰۷ء پاکستان کی تاریخ کا ایک انوکھا واقعہ ظہور پذیر ہوا جس سے اقتدار پر قابض حکمرانوں کے ایوان اقتدار لرز گئے اور ان کے خیال وتصور میں بھی اس قسم کے مکمل مخالفانہ فیصلہ کی توقع پائی نہیں جاتی تھی۔ یس سر کے عادی حکمرانوں کیلئے چیف جسٹس آف پاکستان کے استعفیٰ کا انکار اور غلام عدلیہ کی یکجہتی اور وکلاء تحریک کی کامیابی یہ سب چیزیں اچنبھے کی باعث تھیں۔ بہرحال عدالت عالیہ نے حکومت پاکستان کے اُس جعلی ریفرنس کو مکمل طور پر کالعدم قرار دیا اور جناب چیف جسٹس آف پاکستان کو دوبارہ مکمل اختیارات کے ساتھ بحال کیا۔ پوری قوم اور دنیا بھر میں اس فیصلہ پر خوشی اور مسرت کا اظہار کیا گیا کہ پہلی بار پاکستان میں ایک آمر مطلق کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اصولاً تو ان بے حیاء اور بے غیرت حکمرانوں کو اسی دن استعفیٰ دے دینا چاہیے تھا لیکن شاید یہ پاکستان کی سیاسی روایات نہیں کہ فوجی وسیاسی حکمران احساس جرم احساس ندامت اور آئین اور سچ کے اصولوں کی خاطر خوشی خوشی استعفیٰ دیں۔ یہ طبقہ ہمیشہ کوچہ اقتدار سے رسوا ہو کر نکلا ہے یا پھر موت کے طاقتور پنجے ہی انہیں تاج وتخت سے محروم کرتے ہیں۔

بہرحال وکلاء کی اس کامیاب تحریک میں مصلحت کوش سیاسی جماعتوں کے لئے ایک بڑا پیغام ہے۔ اس کے علاوہ عدلیہ کے فیصلہ کے بعد چیف جسٹس آف پاکستان کی ذمہ داریاں بھی پہلے سے زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ پوری پاکستانی قوم کی توقعات اس ادارے پر مرکوز ہوگئی ہیں۔ مستقبل کے کئی اہم فیصلہ اور سوالات کے جوابات چیف جسٹس آف پاکستان کو دینے ہیں، خصوصاً گمشدہ افراد کی بازیابی کا مسئلہ، سانحہ لال مسجد کی آزادانہ تحقیقات، ۱۲ رمئی کے کراچی کے واقعات کی تحقیقات اور جنرل مشرف کی وردی اور آئندہ کے آزادانہ انتخابات کے انعقاد کے فیصلے سپریم کورٹ آف پاکستان ہی سے آنے ہیں۔ جس سے پاکستان کے آئندہ کے سیاسی مستقبل پر مثبت ومنفی دونوں طرح کے اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔ ان حالات میں پاکستانی عوام حکمرانوں اور سیاسی جماعتوں کے کردار سے سخت مایوس اور کنارہ کش ہیں۔ ان کی امیدوں کی واحد کرن سپریم کورٹ آف پاکستان ہے۔ دیکھئے کہ ان مظلوم اور پسے ہوئے طبقات کی شب دیجور کی صبح صادق طلوع ہوتی ہے کہ نہیں؟

دیکھئے پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض
اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے ؟

درس ترمذی شریف

افادات: حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ

ضبط وترتیب : مولانا مفتی عبدالمنعم حقانی

نائب مفتی دارالافتاء جامعہ حقانیہ

اسلامی معاشرہ کے لازمی خدوخال

جامع امام ترمذیؒ کے ابواب البر والصلۃ کے درسی افادات

باب ماجاء إن من البيان سحراً

باب اس بات کا کہ بعض بیان جادو ہوتے ہیں

○ حدثنا قتيبة ثنا عبد العزيز بن محمد عن زيد بن أسلم عن ابن عمر أن رجلين قدما في زمن رسول الله ﷺ فخطبا فعجب الناس من كلامهما فالتفت إلينا رسول الله ﷺ فقال: "إن من البيان سحرا " أو ان بعض البيان سحر......... وفي الباب عن عمار وابن مسعود وعبد الله بن شخير ...... هذا حديث حسن صحيح

ترجمہ: ۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دو مرد آئے' پس دونوں نے خطبہ دیا (یعنی لوگوں کے ساتھ خطاب کیا اور بات چیت کی) تو ان کے کلام سے لوگوں نے تعجب کیا' تو رسول اللہ ﷺ نے ہماری طرف دیکھ کر فرمایا: بے شک بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔...... اس باب میں حضرت عمارؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایات آئی ہیں...... یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح وتشریح: بعض بیان کو جادو کیوں فرمایا؟

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا' ان من البيان سحراً أو إن بعض البيان سحر۔ اس میں راوی کو شک ہے کہ رسول اللہ کی زبان مبارک سے پہلے جملہ کے الفاظ نکلے ہیں یا دوسرے جملہ کے۔ معنی دونوں کا ایک ہے۔ یعنی بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔ جادو کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے بعض بیان کو جادو فرمایا۔ اور یہ مشابہت اس میں ہے کہ جس طرح جادو مخفی طور پر اثر کرتا ہے اور اس کے ذریعے دلوں کو مائل کیا جاتا ہے اس طرح اثر بعض بیان میں بھی ہوتا ہے جس سے قلوب متاثر ہوتے ہیں اور مائل ہوتے ہیں۔ پس

اگر یہ مؤثر بیان ایسا ہو جس سے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کی طرف میلان پیدا ہوتا ہو اور خشیت الٰہی اور تقویٰ پیدا ہو جاتا ہو تو ایسا مؤثر بیان ممدوح اور مستحسن ہے اور اگر اس بیان میں باطل کو مزین کر کے دکھایا جاتا ہو اور قلوب کو باطل کی طرف مائل کیا جاتا ہو تو یہ مذموم ومکروہ ہے' پس اس حدیث میں مدح اور ذم دونوں پہلو موجود ہیں۔

دو آدمیوں کا فصیح وبلیغ مکالمہ۔ أن رجلین قدما فی زمن رسول الله ﷺ فخطباء

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ دو آدمی جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں (مدینہ منورہ میں) حاضر خدمت ہوئے' پس دونوں نے ایسا فصیحانہ کلام کیا کہ لوگوں کو ان کی باتوں سے تعجب ہوا' پس اس موقع پر جناب رسول اللہ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ: بے شک بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔ یہ دو آدمی کون تھے؟ اور انہوں نے کیا کہا؟ اس بارے میں۔

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ مجھے صراحۃً ان دونوں کے ناموں کی واقفیت حاصل نہ ہوسکی۔ لیکن محدثین علماء کی ایک جماعت کا دعویٰ ہے کہ یہ دونوں زبرقان اور عمرو بن الأ ھیم ہیں۔ زبرقان' زاء اور راء کے کسرہ کے ساتھ ہے' اس کے حسن اور خوبصورتی کی وجہ سے زبرقان اس کا لقب ہوا۔ کیونکہ زبرقان چاند کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اور اس کا اصل نام ونسب اس طرح ہے: حصین بن بدر ابن امرئ القیس بن خلف۔ اور دوسرے کا نام عمرو بن الأ ھیم اور اس أھیم کا نام سنان بن سمی تھا۔ دونوں بنوتمیم قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ نو ہجری میں بنوتمیم کے وفد کے ساتھ یہ دونوں بھی جناب رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بیہقی نے ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ زبرقان بن بدر اور عمرو بن الأ ھیم اور قیس بن عاصم جناب رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے تو زبرقان نے فخر کے طور پر کہا۔

یارسول الله ﷺ انا سید بنی تمیم والمطاع فیهم والمجاب' أمنعهم من الظلم وآخذ منهم بحقوقهم وهذا یعلم ذلک یعنی عمرو بن الأهیم۔

اے اللہ تعالیٰ کے رسول' ﷺ مین بنی تمیم کا سردار ہوں' ان میں میری اطاعت کی جاتی ہے' اور میری بات مانی جاتی ہے' میں ان کو ظلم سے روکتا ہوں' اور میں ان کے آپس میں ایک دوسرے کے حقوق دلاتا ہوں' اور اس آدمی (یعنی عمرو بن الأ ھیم) کو یہ سب کچھ معلوم ہے۔ تو اس کے جواب میں عمرو نے کہا۔

أنه لشدید المعارضة مانع لجانبه مطاع فی إذنه: بے شک یہ آدمی سخت جھگڑا کرنے والا ہے' اپنے جتھے کا دفاع اور حفاظت کرنے والا ہے اور اس کے حکم کی پیروی کی جاتی ہے۔ تو زبرقان نے کہا:

یا رسول الله ﷺ لقد علم من غیر ما قال وما منعه أن یتکلم الا الحسد:

اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ یقیناً اس آدمی نے جو کچھ کہا اس کے خلاف اس کے علم میں ہے اور اس کو واقع کے مطابق

بات کرنے سے حسد ہی نے روکا۔

تو اس کے جواب میں عمرو بن الأ ہیم نے کہا! أنا احسدک؟ والله یا رسول الله ﷺ، إنه لئیم الخال، حدیث المال، أحمق الوالد مضیع فی العشیره۔ والله یا رسول الله: لقد صدقت فی الأولی وما کذبت فی الاخرة ولکنی رجل إذا رضیت قلت أحسن ما علمت وإذا غضبت قلت أقبح ما وجدت۔ (از تحفة الأحوذی)

کیا میں تیرے ساتھ حسد کروں گا؟ اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ خدا کی قسم اس کے ماموں کمینہ لوگ ہیں، یہ ابھی ابھی مالدار بن چکا ہے، اس کے باپ دادا احمق ہیں۔ یہ قبیلہ کے بیکار آدمی ہیں۔ خدا کی قسم: اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ! یقیناً میں نے پہلی باتوں میں بھی سچ کہا اور اس آخری کلام میں بھی میں نے جھوٹ نہیں بولا۔ لیکن میں ایک ایسا آدمی ہوں کہ جب میں راضی ہوں تو جو اچھی باتیں مجھے معلوم ہوں وہی کہہ دیتا ہوں۔ اور جب غصہ ہو جاتا ہوں تو جو بدترین اور قبیح باتیں محسوس کرتا ہوں، وہی بتا دیتا ہوں۔ یہ سن کر جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان من البیان سحرا۔ بے شک بعض بیان جادو ہوتا ہے۔

باب ماجاء فی التواضع

تذلل اور عاجزی اختیار کرنے کا بیان

○ حدثنا قتیبة أخبرنا عبدالعزیز بن محمد عن العلاء بن عبدالرحمن عن أبیه عن أبی هریرة أن رسول الله ﷺ قال: مانقصت صدقة من مال مازاد الله رجلاً بعفو الاعزا وما تواضع احد لله إلا رفعه الله ...... وفی الباب عن عبدالرحمن بن عوف وابن عباس وأبی کبشة الأنماری واسمه عمر بن سعد ...... هذا حدیث حسن صحیح۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، صدقہ، مال میں ذرہ بھر بھی کمی نہیں لاتا اور اللہ تعالیٰ کسی آدمی کیلئے (اپنے بھائی مسلمان کو) معافی کرنے کی وجہ سے عزت وشرافت کے سوا اور کچھ نہیں بڑھا دیتا اور جو بھی بندہ اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اور عاجزی اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو بلند کرے گا اور اس باب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ابن عباس اور ابو کبشہ نماری (اور ان کا نام عمر بن سعد ہے) رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایات آئی ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح وتشریح: اس باب میں تواضع کی فضیلت بیان ہوتی ہے، تواضع وضع یضع سے ماخوذ ہے، اور وضع کا اصل معنی ہے

کسی چیز کو نیچے رکھنا اور اس کا ضد رفع ہے اس کا معنی ہے اونچا کرنا' اٹھانا' پس تواضع سے مراد اپنے آپ کو نیچے کرنا۔ اپنے نفس کو دبانا۔ تذلل اور عاجزی اختیار کرنا۔

بعض اعمال کا اثر ان کے ضد کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے:

ہر عمل کے لئے کچھ خواص واثرات ہوتے ہیں بعض عمل کا اثر اس کی ضد کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے' تواضع بھی ایک ایسا عمل ہے' اس کا اثر بالکل اس کی ضد کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی جو آدمی اپنے آپ کو پست اور نیچے کرتا ہے' تذلل اور عاجزی اختیار کرتا ہے' تو اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرتا ہے اس کی عزت بڑھاتا ہے اور اس کے برعکس جو تکبر کرے گا اور اپنے آپ کو بڑا آدمی ظاہر کرے گا تو پست اور ذلیل ہوگا۔

اس راہ کے عجیب نشیب وفراز ہیں　　پستی سے سربلند اور سرکشی سے پست

اور ایک حدیث میں ہے: من تواضع لله رفعه الله ومن تكبر وضعه الله۔

جو آدمی تواضع اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بلند و بالا کردے گا۔ اور جو تکبر کرے تو اللہ تعالیٰ اسے پست اور ذلیل کریگا۔

اسی طرح حج کرنے میں بظاہر مال خرچ ہوتا ہے اس کے ظاہر کے مطابق تو اس کا اثر یہ ہونا چاہیے تھا کہ حج کرنے سے آدمی فقیر بن جاتا' لیکن حدیث میں ہے "الحج تنفي الفقر" یعنی حج فقیری کو ختم کردیتا ہے' یعنی اس ظاہری اثر کے خلاف یہ اثر ظاہر ہوتا ہے کہ حج کرنے سے آدمی مالدار بن جاتا ہے' اسی طرح صدقہ وخیرات کرنے سے بظاہر مال کم ہوتا ہے اسی وجہ سے شیطان ظاہر بین آدمی کو وجوہ خیر میں مال لگانے کی صورت میں فقیری اور ناداری سے ڈراتا ہے کہ اس مال کو نہ چھیڑوں' اللہ کی راہ میں' امور خیر میں نہ لگاؤ ورنہ خود فقیر ومحتاج رہ جاؤ گے' اللہ تعالیٰ نے اس کید شیطانی سے ہوشیار رہنے کی تاکید فرمائی اور اپنی طرف سے مغفرت اور مال کے زیادہ ہونے کا وعدہ فرمایا۔ ان الشيطٰن يعدكم الفقر ويأمركم بالفحشاء والله يعدكم مغفرة منه وفضلا (الاية)

یعنی شیطان تم کو فقیری سے ڈراتا ہے اور تم کو بے حیائی کا حکم دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ اپنی طرف سے مغفرت کا اور مال کے زیادہ ہونے کا وعدہ فرماتا ہے۔ البتہ انفاق فی سبیل اللہ وغیرہ ہر چیز میں اعتدال اور میانہ روی کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کیونکہ اس کا مستقل طور پر حکم دیا گیا ہے۔ نیز سود سے بظاہر مال زیادہ ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس ظاہر کے خلاف ارشاد فرمایا: يمحق الله الربوٰ ويربي الصدقات (الاية) یعنی اللہ تعالیٰ سود کے مال کو گھٹا کر مٹا دیتا ہے اور صدقات کے مال کو اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے ارشادات کے مطابق اثرات دنیا میں ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ سود کا مال بے برکت ہوتا اور بسا اوقات ظاہرا بھی سود کا مال تباہ ہوکر ختم ہوجاتا ہے' اور سودی خود آدمی دیوالیہ بن جاتا ہے اور صدقات سے اموال کا بڑھ جاتا ہے اور زیادہ ہونا تو ایک ایسا امر ہے کہ ساری دنیا کے مشاہدہ سے معلوم ہے۔ اسی طرح کسی کی ظلم وزیادتی کے

مقابلے میں اس کو معاف کرنا نیز تواضع اور عاجزی اختیار کرنا بظاہر اپنے آپ کو ذلیل کرنا ہے اور اپنے اوپر دوسرے کی بالادستی قائم کرنا ہے۔ اور ظاہر کے اعتبار سے تو اس کی عزت کم ہونی چاہیے اور یہ پست اور ذلیل ہونا چاہیے۔ لیکن جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس آدمی کی عزت کو ضرور بڑھا دیتا ہے' یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی' اور اللہ تعالیٰ اس کو بلند و بالا کرتا ہے لیکن اس میں یہ قید لگایا گیا ہے کہ "لله" ہو یعنی یہ معاف کرنا اور یہ تواضع اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے ہو' پس اگر کوئی آدمی برائی کرنے والے کے ساتھ برائی کرنے کا عزم رکھتا ہو' لیکن یہ کمزور ہے' اور اس کا بس نہیں چلتا اس کمزوری کی وجہ سے وہ انتقام لینا چھوڑ دے' تو اس کیلئے یہ وعدہ نہیں۔ نیز تواضع' عاجزی وانکساری اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے' تب یہ عمل اللہ تعالیٰ کے لئے ہے' اور اللہ اس عمل کا بدلہ دے گا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی تو نقد بدلہ اللہ تعالیٰ یہ دے گا کہ عاجزی وانکساری کے عوض میں اس کو بلند و بالا کر دے گا۔ اگر یہ عمل اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے نہ ہو' بلکہ کسی دینوی غرض کے لئے ہو' یا کسی سے چندہ حاصل کرنے کیلئے چند روپے کی مدد کریں میرے ساتھ' تو ایسے تذلل اور عاجزی پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ نہیں ہے۔

باب ماجاء فی الظلم

ظلم کا بیان

○ حدثنا عباس العنبری أخبرنا ابوداؤد الطیالسی عن عبدالعزیز بن عبدالله بن أبی سلمه عن عبدالله بن دینار عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال: الظلم ظلمات یوم القیمة ...... وفی الباب عن عبدالله بن عمرو و عائشة و أبی موسیٰ و أبی هریرة (رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعین) ...... هذا حدیث حسن غریب من حدیث ابن عمر

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ظلم' اندھیرے ہوں گے قیامت کے دن ...... اور اس باب حضرت عبداللہ بن عمروؓ حضرت عائشہؓ حضرت ابوموسیٰ اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایات آئی ہیں۔

توضیح وتشریح: ظلم اور ظلمات

ظلم کا لغوی معنی ہے' وضع الشئ فی غیر موضعه المختص به: کسی چیز کا اپنا موضع ومحل مخصوص کے علاوہ دوسری جگہ رکھنا' یہاں "الظلم" میں الف ولام' جنس کے لئے ہے' یعنی جنس ظلم' قیامت کے دن کے ظلمات اور اندھیروں کا سبب بنے گا۔ جسطرح ظلم کے درجات اور مراتب ہیں' اس طرح اس کے مطابق قیامت کے اندھیروں کا حال بھی

ہوگا۔ شرک بنص قرآن کریم بڑا ظلم ہے' پس مشرک کے لئے بڑا اندھیرا ہوگا۔ اس طرح چھوٹے مظالم کے بدلے میں اندھیرے بھی چھوٹے ہوں گے' چنانچہ ظلم کے مختلف انواع واقسام ہیں اور ''الظلم'' سے جنس ظلم مراد ہے جو ہر قسم کے ظلم کو شامل ہے' اس وجہ سے ظلمات کو بھی جمع ذکر کیا۔ نیز جیسا کہ متقین مؤمنین کو نور ملے گا اور یہ نور ان کو آگے' دائیں' بائیں مختلف اطراف سے ہوگا' اسطرح یہ اندھیرے بھی ظالم پر مختلف اطراف سے محیط ہونگے اس اعتبار سے ظلمات کو جمع لایا۔

ظلم دراصل ظلمت سے پیدا ہوتا ہے:

ظلم دراصل دل کی ظلمت اور اندھیرے سے پیدا ہوتا ہے' مسلسل فسق وفجور اور نافرمانی کی وجہ سے بالآخر دل سیاہ ہو جاتا ہے اور ظلمات اور اندھیروں کا گھر بن جاتا ہے' ایسے سیاہ دل سے پھر کفر اور شرک جیسا ظلم بھی صادر ہوتا ہے' اور ضعیفوں اور کمزوروں' پر گوناگوں مظالم کے پہاڑ ڈھانے سے بھی اس کا دل ترس نہیں کھاتا' اگر دل ایمان اور ہدایت کے نور سے روشن اور منور ہوتا تو ضرور ان مظالم سے باز آجاتا۔ پس گویا کہ اس نے دنیا میں اپنے دل کو اندھیروں کا گھر بنایا ہے تو قیامت کے دن بھی اس کے لئے اندھیرے ہی اندھیرے ہوں گے۔ اور راہ نجات پانے کے لئے اس کے ساتھ روشنی نہ ہوگی۔

سورۃ النور وغیرہ میں اللہ تعالیٰ نے نور اور ظلمات کی مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ حاصل یہ کہ ایمان' تقویٰ اور عمل صالح یہ نور ہے' ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد ہے: نورھم یسعی بین ایدیھم و بأیمانھم (الآیۃ) اور کفر' شرک' برے اعمال کرنا اور بندوں کے حقوق تلف کرنا۔ یہ ظلمات اور اندھیرے ہیں۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں۔ کیونکہ دنیا میں یہ قبائح ومظالم راہ ہدایت پانے سے مانع ہوتے ہیں' گویا یہ اس کے لئے اندھیرے ہیں جن کی وجہ سے ایمان' ہدایت اور فلاح وکامیابی کی راہ اس کو نظر نہیں آتی۔ اور آخرت میں تو ان چیزوں کا ظلمات ہونا پہلے واضح ہوگیا۔

اور بعض کے نزدیک ظلمات سے مراد عذاب اور شدائد ہیں۔ تو پھر معنی یہ ہوگا کہ ظلم قیامت کے دن کے عذاب' مصائب وشدائد کا ذریعہ ہوگا۔ یعنی دنیا میں ظلم کرنے کی وجہ سے وہ قیامت کے دن مختلف قسم کے مصائب' شدائد اور عذابوں میں مبتلا ہوگا۔

باب ماجاء فی ترک العیب للنعمۃ

نعمت میں عیب جوئی ترک کرنے کا بیان

○ حدثنا احمد بن محمد أخبرنا عبداللہ بن المبارک عن سفیان عن الأعمش عن أبی حازم عن أبی ھریرۃ قال: ما عاب رسول اللہ ﷺ طعاماً قط کان اذا اشتھاہ أکلہ وإلا ترکہ... ھذا حدیث حسن صحیح .... وأبو حازم

هو الاشجعي واسمه سلمان مولى عزه الأشجعية.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی کسی طعام کو عیب نہیں لگایا۔ (بلکہ) اگر آپ ﷺ کو کھانے کی خواہش ہوتی تو تناول فرمالیتے' ورنہ چھوڑ دیتے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اور یہ ابوحازم' اشجعی ہیں۔ اور ان کا نام سلمان ہے۔ جو کہ عزہ اشجعیہ کا مولیٰ ہے۔

توضیح وتشریح: ما عاب طعاما قط

جناب رسول اللہ ﷺ طعام میں عیب نہیں نکالتے تھے' جبکہ طعام حلال اور مباح ہو۔ اگر کوئی کھانے کی چیز حرام ہوتی تو اس کو عیب لگاتے تھے اور اس کی برائی بیان فرماتے اور اس کے کھانے سے منع فرماتے تھے۔ حلال اور مباح طعام میں عیب نکالنا اخلاق کریمانہ کے خلاف ہے۔ اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ کبھی بھی طعام میں عیب نہیں نکالتے تھے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ طعام میں خلقت کے اعتبار سے عیب نکالنا جائز نہیں ہے۔ البتہ صنعت کے اعتبار سے (یعنی پکانے اور تیار کرنے میں کچھ نقص اور عیب ہو تو) اس کو بیان کرنا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صنعت میں عیب نہیں ہوسکتی۔ اور مخلوق کی صنعت پکانے کی ترکیب وغیرہ میں عیب ہوسکتا ہے' لہٰذا اس کو بیان کرنا بھی جائز ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طعام میں کسی بھی قسم کا عیب نکالنا جائز نہیں ہے۔ نہ باعتبار خلقت کے اور نہ باعتبار صنعت کے۔ کیونکہ صنعت وترکیب میں عیب نکالنے سے طعام تیار کرنے والے کی دل شکنی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بھی جائز نہیں لہٰذا یہ ممانعت عام ہے۔

نیز عیب نکالنے سے ایک قسم کی بے قدری اور ناشکری ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ نعمتوں کی۔ کیونکہ یہ طعام جو کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے دے دیا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہوں گے۔ کہ ان کو یہ بھی کھانے کے لئے نہیں مل رہا۔

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ یہ ایک بہت اچھا ادب ہے' کیونکہ بسا اوقات ایک آدمی کسی چیز کو کھانے کے لئے پسند نہیں کرتا' لیکن دوسرا آدمی اس کو پسند کرتا ہے' اور وہ اسے بہت شوق سے کھاتا ہے اور ہر وہ چیز جس کے کھانے کی شریعت مقدسہ نے اجازت دی ہے' اس میں عیب نہیں ہوتا۔ لہٰذا عیب لگانے سے بہرحال اجتناب کرنا چاہیے۔ بلکہ اگر پسند ہو تو کھاؤ' پسند نہ ہو تو چھوڑ دو۔ عیب نہ لگاؤ کیونکہ عین ممکن ہے کہ یہ کسی اور کی پسندیدہ چیز ہو۔

اے سیر! ترا نان جوین خوش نماید
معشوق من است آنکہ بنزدیک توزشت است
حوران بہشتی را دوزخ بود اعراف
وز دوزخیان پرس کہ اعراف بہشت است

سلسلہ خطبات جمعہ
شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب
ضبط و ترتیب : حافظ محمد سلمان الحق انوار حقانی
مدرس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

والدہ' اسلامی تہذیب وثقافت اور مسلم خاندانی نظام کی بنیاد

نحمده ونصلى على رسوله الكريم اما بعد فاعوذبالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم اما بعد وان جاهداک على ان تشرک بى ماليس لک به علم فلا تطعهما وصاحبهما فى الدنيا معروفا واتبع سبيل من اناب الى ثم الى مرجعكم فأنبئكم بما كنتم تعملون (سورة لقمان 'آیت ۱۵)

ترجمہ: اگر وہ دونوں (یعنی والدین) تجھ کو مجبور کریں کہ میرے ساتھ اس کو شریک کر جسے تو جانتا نہیں تو ان کا کہنا نہ مان او دنیا میں ان کے ساتھ بہتر طریقے سے وقت گزار۔ اور اس راہ پر چل جس میں رجوع میری طرف ہو۔

وعن ابى بكره قال قال رسول الله صلعم كل الذنوب يغفر الله منها ماشاء الاعقوق الوالدين فانه يعجل به فى الحيوة قبل الممات (بيهقى)

ترجمہ: حضرت ابو بکرہؓ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (شرک کے علاوہ) اور چاہے تو تمام گناہ معاف کر دیتا ہے مگر اللہ تعالیٰ ماں باپ کی نافرمانی کے گناہ کو نہیں بخشتا بلکہ حق تعالیٰ ماں باب کی نافرمانی کرنے والوں کو سزا زندگی ہی میں دینا شروع کر دیتا ہے۔

والدہ کا حق باپ سے زیادہ ہے: والدین کی اطاعت اور تابعداری جسے اللہ تعالیٰ نے اولاد پر فرض کر دیا ہے کا بیان گزشتہ جمعہ کو ہو رہا تھا اسی سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے حضرت لقمان کی دانائی سے بھرپور باتیں جن کو قرآن نے ذکر فرمایا ان کے درمیان ایک اہم حکم یہ بھی ہے کہ والدہ کا حق باپ سے زیادہ ہے وجہ یہ ہے کہ وہ کئی ماہ تک بچے کا بوجھ اپنے پیٹ میں اٹھا کر اپنے معمولات کو بھی' سرانجام دیتی رہی اسکے بعد بچہ کی پیدائش کا تکلیف دہ اور خطرناک مرحلہ سر کرنا' دنیا میں آنے کیساتھ ہی دو ڈھائی سال تک دن رات دودھ پلانا' بار بار پیشاب اور گندگی میں لت پت بچے کے جسم کی صفائی اور قسم قسم کی تکالیف اور بے آرامیوں کا جھیلنا ماں ہی کا کارنامہ ہے۔ بچہ کی تربیت میں کافی حصہ باپ کا بھی ہے۔ مگر خدمت و پرورش کے سخت اور اپنے راحت و آرام قربان کرنے کے بعض مراحل ایسے ہوتے ہیں جو صرف ماں ہی خندہ پیشانی سے سرانجام دیتی ہے' جس کا تقاضا یہی ہے کہ اللہ کی اطاعت کے بعد ماں باپ اور بالخصوص

ماں کے حق کا خیال زیادہ رکھنا چاہیے۔

شرک جرم عظیم ہے: اسکے دوران ہی رب العزت نے تنبیہ فرمادی کہ ماں باپ کی اطاعت اور حکم کی بجا آوری تو ضروری ہے مگر شرک ایسا قبیح عمل ہے کہ اگر ماں باپ اولاد سے شرک کرنے کا مطالبہ کریں تو والدین کے مجبور کرنے پر بھی شرک کا راستہ اختیار کرنا منع ہے اگر وہ کافر اور بے دین بھی ہوں تب ان کیساتھ زندگی میں حسن معاشرہ کا معاملہ کرنا ہے۔

والدہ کے حقوق کی فوقیت: حقوق کے ادائیگی میں ماں کے حق کی فوقیت کا ذکر ہوا جس کی تائید رحمت عالم ﷺ کے ارشاد سے ہوتی ہے کہ عن ابی ھریرۃ قال قال رجل یارسول اللہ من احق بحسن صحبتی قال امک قال ثم من قال امک قال ثم من قال امک قال ثم من قال ابوک (بخاری ومسلم) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میری طرف سے بہتر سلوک، احسان، خدمت گزاری کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری ماں۔ اس شخص نے دوبارہ پوچھا کہ پھر کون آپ نے فرمایا تمہاری ماں۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں۔ (چوتھی دفعہ) اس نے عرض کیا کہ پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا باپ۔

اب آپ اس فرمان نبوی ﷺ سے والدہ کے حق کے مقدم اور اہم ہونے کا خود اندازہ کریں کہ تین بار سائل نے پوچھا مگر ہر بار آپ ﷺ نے ماں کا فرمایا اور چوتھی بار سوال کرنے کے جواب میں فرمایا کہ تمہارا باپ۔ اسی وجہ سے بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ ہر انسان پر والدین کے ساتھ حسن اخلاق، معاشرہ ومروت اور بھلائی کے جو حقوق لازم ہیں ان میں والدہ کا حصہ والد سے تین گنا زیادہ ہے تین گنا ہونے کی وجہ سے بھی وہی بیان کی جاتی ہے جس کا ذکر مالک الملک نے اپنے کلام پاک میں عجیب وغریب طریقے سے مختلف آیات میں فرمایا کہ وہ بچے کا بوجھ کئی مہینہ اٹھاتی ہے۔

استحقاق والدہ بہ لحاظ قرابت کے: ولادت کے وقت کی تکلیف اور پھر دودھ پلانے کی مشقت۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اس دنیا کی جن جن افراد واشخاص سے تعلق وقرابت کا رشتہ رکھتا ہے ان میں بھی مراتب کا فرق ہوتا ہے، کسی نے خدمت زیادہ کی اذیت زیادہ برداشت کی تو ظاہر ہے، رشتوں میں اس کا رشتہ وتعلق بھی بلند وبالا۔ کسی نے قدرے کم پرورش وتربیت میں حصہ لیا تو اس کے رشتے وتعلق کا مرتبہ بھی پہلے کے مقابلہ میں کچھ کم ہوگا ادائیگی حقوق میں بھی اس کا لحاظ ہوگا۔ یہ آپ سب کے علم میں ہے کہ قرابت کے لحاظ سے سب سے گہرا رشتہ اور تعلق ماں کا ہے۔ جس کی وجہ سے تابعداری اور حسن سلوک میں بھی استحقاق والدہ کا اور رشتوں سے زیادہ ہے پھر اس کے بعد باپ اور دیگر رشتہ دار وعزیز۔ اسی لحاظ واعتبار کی وہاں بھی رعایت ہوگی جو رشتہ وقرب میں جتنا زیادہ نزدیک اتنا ہی اطاعت وفرمانبرداری میں بھی اہمیت ورعایت ہوگی۔ حدیث مذکورہ میں ماں کا ذکر بار بار فرمانے سے ثابت ہوا کہ ماں کی فرمانبرداری سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں۔ حقوق اللہ مثلاً نماز، روزہ، حج جیسے عبادات میں اگر کمی آئی تو غفور الرحیم ذات سے

توقع ہے کہ توبہ اور رحمت کاملہ کی بدولت معافی مل سکتی ہے۔ مگر ماں کی تابعداری اور خدمت کرنے میں اگر تساہل' غفلت کا مظاہرہ ہو تو مسلمان کے سارے اعمال ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ تمام عبادات و اعمال حسنہ اپنے اپنے اعتبار سے اہم وضروری مگر ماں کی خدمت' مرتبہ اور عظمت کا کوئی بدلہ نہیں۔

ماں کی عظیم قربانیاں: اگر ایک باپ سارا دن بلکہ عمر بھر صبح سے لے کر شام تک در بدر ٹھوکریں کھا کر رزق معاش کی تلاش میں رہتا ہے تو اس کا مقصد بھی ان تمام مساعی کا یہی ہوتا ہے کہ بچے کی پرورش' اور بہترین مستقبل کے وسائل میسر آجائیں۔ لیکن بچہ کے بارہ میں ماں کی ذہنی کیفیت' تفکرات' ہر وقت کڑھنا' پریشانی واندیشے اور زندگی کو داؤ پر لگانا ایسے کردار ہیں جن سے گزر کر کبھی بھی نہیں ہارتی۔ ماں کی یہی وہ عظیم قربانیاں ہیں جس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: الجنة تحت اقدام الامهات" یعنی جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ اگر جنت کے سچے اور دل سے طلب گار ہو تو والدین خصوصاً والدہ کی خدمت گزاری اور راضی رکھنے ہی سے یہ طلب اور خواہش پوری ہوسکتی ہے ان دونوں کے اتنے حقوق ہیں کہ اگر اولاد تمام عمر نرمی اور ادب واحترام کی راہ اختیار کرے پھر بھی ان کے خدمات کا جس کے وہ عنداللہ مستحق ہیں حق ادا کرنا مشکل ہے۔

والدہ کے حقوق کی ادائیگی کا معیار: سرکار دو عالم ﷺ سے ایک صحابی پوچھتا ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ میری والدہ بوڑھی ہو چکی ہیں میں اسے اپنے ہاتھ سے کھلاتا ہوں پلاتا بھی خود ہوں۔ نماز کے وقت وضو کراتا ہوں۔ چلنے پھرنے کے موقع پر اپنے کندھوں پر اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتا ہوں۔ الغرض جتنی خدمات ایک شخص کے استطاعت میں ہیں ادا کرنے کے ذکر کے بعد عرض کرتا ہے کہ جتنے حقوق وفرائض میرے ذمہ ہیں کیا ان خدمات کے کرنے سے اس کا بدلہ چکا دیا جائے گا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا نہیں۔ سوواں حصہ بھی ادا نہیں ہوسکتا۔ ہاں اتنا ہے کہ تم نے نیک کام کیا ہے جو والدہ کے حقوق کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ مگر رب کائنات اپنے شان کریمانہ کے مطابق اس قلیل عمل پر بھی اجر کثیر عطا فرمائیں گے۔ اگر والدین ایمان وتقویٰ کی نعمت سے مالا مال ہوں پھر تو ان کی عزت و عظمت کا خیال رکھنا' ان کی نیک خواہشات کی تکمیل کیلئے دن رات مصروف رہنا ایک عظیم نعمت ہے۔ ذلک فضل الله تو تیه من نشاء یہ اللہ کا وہ بے پناہ فضل وکرم جسے وہ چاہے نوازے۔

مشرک والدہ کا احترام: لیکن اگر خدانخواستہ وہ غیر مسلم یا خود غیر شرعی امور کا ارتکاب کرتے ہوں تو مرشد عالم ﷺ نے پھر بھی ان کے ساتھ ادب واحترام سے پیش آنے کا حکم فرمایا ہے۔ وعن اسماء بنت ابی بکر قالت قدمت علی امی وھی مشرکة فی عھد قریش فقلت یا رسول الله ان امی قدمت علی وھی راغبة أفا صلھا قال نعم صلیھا (بخاری مسلم)

ترجمہ: حضرت اسما بنت ابی بکر کہتی ہیں کہ میری والدہ مکہ سے مدینہ میرے پاس اس حالت میں آئی کہ وہ شرک میں مبتلا

تھی میں نے عرض کیا یارسول اللہ میری والدہ میرے پاس آتی ہے وہ اسلام سے نفرت کرتی ہے تو کیا میں اس کے ساتھ بہتر سلوک کر سکتا ہوں' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہاں ان کے ساتھ حسن وسلوک اور ادب واحترام کا رویہ اختیار کرنا۔

یہ اسی دور کا واقعہ ہے کہ قریش مکہ اور مسلمانوں کے درمیان صلح حدیبیہ کی صورت میں امن اور جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو چکا تھا۔ ایک دوسرے کے علاقے میں آنے جانے کی ممانعت نہ تھی۔

<u>والدین کے احسانات کا تشکر وامتنان:</u> چونکہ والدین بچے کے معرض وجود میں آنے کے ساتھ ہی دن رات ایک کر کے بچے کے راحت وآرام کی خاطر اپنا جان ومال اس پر قربان کر دیتے ہیں' اولاد کی ہر قسم کے ناز ونخرے خندہ پیشانی سے برداشت کر کے ان کی تمام خواہشات کی تکمیل میں مصروف رہنا اپنا فرض اولین سمجھتے ہیں۔ تو الانسان عبد الاحسان" اور "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جب والدین عمر کے ایسے حد کو پہونچ گئے کہ بچوں کی طرح معمولی بات پر ناراضگی اور چھوٹے سے حکم کی تعمیل پر خوش ہونا مزاج بن گیا تو ان کے طبیعت ومزاج کا اس عمر میں خصوصی طور پر خیال رکھنے اور ادب وانکساری سے پیش آنے کا حکم دیا گیا۔ والدین کے عمر کا یہی وہ حصہ ہے کہ والدین کی خدمت اپنے جگر گوشے ہی بہتر اور مناسب انداز میں کر سکتے ہیں نہ کہ والدین کو اولڈ ایج سینٹروں میں غیروں کے حوالہ کر کے زندگی کے بقیہ حصہ کو انتہائی بے چارگی اور کسمپرسی کی حالت میں گزارنے پر مجبور کیا جائے' بلکہ ان کے احسانات کا بدلہ اور ان کے شفقت وقربانیوں کا شکریہ یہی ہے کہ زندگی میں ان کے آرام اور اطاعت کی ذمہ داری اولاد اپنے سر لے اور مرنے کے بعد ان کی مغفرت ورحم وکرم کی دعاؤں سے ان کی اخروی زندگی بہتر سے بہتر ہونے کا وسیلہ بنیں۔ آیت کریمہ میں ضعف وبڑھاپے کے موقع پر والدین کی خوشنودی اور خدمت سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس حسن سلوک کا مطالبہ صرف اس عمر کیلئے ہے بلکہ اولاد جب ہوش وحواس سنبھالیں ان پر اپنے ان دونوں محسنین کی تابعداری ابتداء سے انتہاء عمر بھر لازمی ہے۔

افسوس کہ آج کے ترقی پسند اور اپنے کو روشن خیال کہلوانے والے اسلام اور مسلمانوں کو تنگ نظری اور انتہا پسندی جیسے طعنوں اور القاب سے یاد کر رہے ہیں جس کی وجہ یا تو ان کی اسلام کی سلامتی اور عافیت انسانیت کا دین ہونے سے جاہل ہونے کا نتیجہ ہے یا ان خود ساختہ تہذیبوں کے دعویداروں کے اخلاق وآداب' تہذیب وانسانیت کو بالائے طاق رکھ کر مادی ترقی حاصل کر لینے کی ہوس اور اسلامی تعلیمات سے بلاوجہ دشمنی کا اثر ہے۔

خود تو اگر کسی مذہب سے اپنے تعلق اور منسلک رہنے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بھی اس نام ونہاد ترقی یافتہ دور کے رنگینیوں میں غرق ہو کر اپنے مذہب پر عمل کرنا تو دور کی بات ہے اس دین کی تہذیب وتمدن' اصول واحکامات کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہوتے اور امن وسلامتی اور رواداری اور احترام انسانیت سے بھرپور مذہب اسلام کو لعن وطعن کا نشانہ بنانے کے لئے دنیا بھر میں بے بنیاد پراپیگنڈوں کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ جبکہ رشد وہدایت کے ابدی سرچشمے قرآن کریم

اور محسن انسانیت کی مثالی تعلیمات و احکامات تمام انسانیت اور بالخصوص حقوق والدین کی اہمیت اور ان کی عزت و حسن مروت کی وہ ضمانت دیتے ہیں۔ جن کی نظیر اسلام کے سوا دیگر ادیان عالم میں موجود نہیں۔ یہاں تک کہ والد یا والدہ کا مذہب اگر مسلمان اولاد کے دین سے مختلف ہو پھر بھی ان کی خدمت اور حسن سلوک کی ذمہ داری ختم نہیں ہوتی۔

رضاعی والدہ کا مقام واحترام: اسلام نے تو چند دن ایک بچے کا کسی عورت سے رضاعت کی مدت میں دودھ پینے کا جو رشتہ قائم ہو جاتا ہے تو وہ بھی رضاعی ماں بن کر عزت و توقیر کے اعتبار سے اس دودھ پینے والے کیلئے نسبی ماں کا مقام حاصل کر لیتی ہے۔ رضاعی ماں کی عزت و عظمت کا اندازہ آپ رحمت عالم ﷺ کے اس واقعہ سے بخوبی کر سکتے ہیں: وعن ابی الطفیل قال رأیت النبی ﷺ یقسم لحماً بالجعرانہ اذا قبلت امراۃ حتی دنت الی النبی ﷺ فبسط لها رداءہ فجلست علیہ فقلت من ھی فقال ھی امه التی ارضعته (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوالطفیلؓ سے روایت ہے میں نے حضور ﷺ کو جعرانہ (کے مقام) پر دیکھا کہ وہ گوشت تقسیم فرما رہے تھے کہ اچانک ایک خاتون آئیں۔ جب وہ حضور ﷺ کے قریب پہونچی تو آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے اپنی چادر مبارک بچھا دی اور وہ (محترمہ) اس پر بیٹھ گئیں میں نے پوچھا کہ یہ محترمہ کون ہے؟ (کہ حضور ﷺ نے اس احترام و عزت کا مظاہرہ فرمایا) انہوں نے بتایا کہ یہ آنحضرت ﷺ کی وہ ماں ہیں جس نے رحمت عالم ﷺ کو دودھ پلایا۔ یہ رضاعی ماں حضرت حلیمہ ان عظیم المرتبت صحابیاتؓ میں شامل تھیں جس کو رب کائنات نے محمد الرسول اللہ ﷺ جیسے محبوب کائنات شخصیت کو دودھ پلانے کی فضیلت سے نوازا تھا۔

اسلامی تہذیب و ثقافت کی بنیاد: شومئی قسمت کہ ہم مسلمان عرصہ دراز تک غیر مسلموں کی صحبت میں رہ کر اپنے آفاقی اور اخلاق عالیہ سے بھرپور مذہب کے بہترین تعلیمات کو بھول گئے۔ جب چند روز تک دودھ دینے والی خاتون کی عزت و احترام کا مظاہرہ محسن انسانیت ﷺ اس انداز سے فرما رہے ہیں تو پھر عمر بھر کی زندگی اولاد کے سکون و عافیت کے لئے قربان کرنے والے نسبی ماں کی عظمت اور ان کے راحت و سکون اور حقوق کے خیال رکھنے کے بارے میں ایسے مکمل اور روشن ہدایات دیئے جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم اور ہادی اعظم ﷺ نے والدین کی تابعداری، فرماں برداری اور اطاعت کے بارے میں جو احکامات پوری انسانیت کے سامنے پیش فرمائے حقیقت میں یہی اسلامی تہذیب تمدن، ثقافت مسلم خاندانی نظام کی بنیاد ہے۔

والدین کی خوشنودی رب کی خوشنودی ہے: شریعت محمدی اپنے معنوی وصوری لحاظ سے اللہ کا وہ پسندیدہ دین ہے جو اپنے متبعین کو دین و دنیا میں نجات و فلاح کی ضمانت دیتا ہے۔ والدین کی اطاعت کے دنیوی فوائد کا ذکر تو بعد میں کروں گا۔ اخروی کامیابی اور رب کائنات کی رضامندی کا راز بھی والدین کی رضامندی میں پنہاں ہے۔ ان کی تابعداری بعینہ اللہ کی تابعداری اور نافرمانی رب العزت کی نافرمانی ہے۔ یہی وجہ ہے جس کا ذکر پہلے بھی

کر چکا ہوں' ذات باری جل جلالہ نے اپنی ربوبیت کا ذکر کرنے کے بعد عمل کے دنیا میں شرک سے بچنے' حقوق وواجبات کا بیان فرمایا اس حکم کے صادر کرتے ہی والدین کیساتھ ہمیشہ حسن سلوک کے حکم کی تلقین فرمائی۔ کیونکہ رب العزت اور پیغمبر انقلاب پر ایمان لانے کے بعد رب العزت کے حضور سرخرو ہونے کا سب سے اہم ذریعہ والدین کی خوشنودی ہے۔ رحمۃ دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے: وعن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ من اصبح مطيعاً في والديه اصبح له' بابان مفتوحان من الجنة وان كان وحداً فواحداً ومن اصبح عاصياً لله في والديه اصبح له' بابان مفتوحان من النار ان كان واحدا فواحداً قال رجل وان ظلماه قال وان ظلماه وان ظلماه وان ظلماه (رواه بيهقي)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ روایت کر رہے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اس حالت میں صبح کی کہ وہ والدین کے حق میں اللہ کی فرمانبرداری کرتا رہا تو وہ اس حال میں صبح کرتا ہے کہ اس کے لئے جنت کے دو دروازے کھلے ہوتے ہیں اور اگر اس کے باپ ماں سے کوئی ایک (فوت ہو کر دوسرا) زندہ ہو' جس کی اس نے اطاعت کی تو ایک دروزاہ کھلا رہتا ہے اور جس شخص نے اس حال میں صبح کی کہ وہ والدین کہ وہ ماں باپ کے حق میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ اس حالت میں صبح کرتا ہے کہ اس کے لئے دوزخ کے دو دروازے کھلے رہتے ہیں اور اگر ماں باپ سے کوئی ایک زندہ ہو (جس کی اس نے تابعداری نہ کی) تو اس کے لئے (دوزخ) کا ایک دروازہ کھلا رہتا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا اگر چہ والدین اس پر ظلم کریں' حضورؐ نے فرمایا ہاں اگر چہ ماں باپ اس پر ظلم کیوں نہ کریں۔ (پھر) فرمایا اگر چہ والدین اس پر ظلم ہی کیوں نہ کریں۔

<u>ماں باپ جنت وجہنم میں:</u> ایک اور موقع پر سید الرسل ﷺ نے فرمایا: عن ابی امامه ان رجلاً قال يارسول الله ماحق الوالدين على ولدهما قال هما جنتك ونارك (رواه ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اولاد پر ماں باپ کا کیا حق ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے جنت بھی ہو سکتے ہیں اور دوزخ بھی۔

یعنی والدین کا اپنی اولاد پر لازمی حق ہے کہ انکے ساتھ نیک رویہ اختیار کر کے ان کو رنج وافسردہ کرنے والے عمل سے بچا جائے اور یہی حسن سلوک اولاد کے جنت میں داخلے کا سبب ہے اور اگر انکو ناراض کر کے' نافرمانی اور اذیت پہونچانے والے قول وفعل کا مظاہرہ کیا جائے تو یہی ناشائستہ اعمال جہنم میں جانے کا موجب ہیں۔ والدین کی تابعداری اور خوش رکھنا اور انکی نافرمانی اور بدسلوک سے بچنا اللہ جل شانہ کا حکم ہے۔ جیسے کہ قرآن کی کئی آیات سے آپکو معلوم ہوا اسلئے ان کی راضی رکھنے میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے اور انکی ناراضگی اللہ کے غیض وغضب کو دعوت دینا ہے۔

<u>اطاعت والدین حدود:</u> حضور ﷺ نے والدین کی اہمیت کے اظہار کیلئے تین دفعہ ارشاد فرمایا کہ اگر چہ

والدین اس پر ظلم ہی کیوں نہ کریں ان کی اطاعت کرنی ہے گویا اس حالت میں بھی ان کے حقوق میں کمی اور نافرمانی کی اجازت نہیں لیکن یہاں یہ بات ذہن میں رکھیں کہ جیسے پہلے بھی آیت کریمہ کی تشریح کے ضمن میں عرض ہوا۔ انکے زیادتی اور ظلم سے مراد وہ زیادتی ہے۔ جو دینوی امور اور معاملات سے متعلق ہو اگر ان کی طرف سے زیادتی ایسی ہو جس میں شریعت اور مذہب کی مخالفت اور شرعی احکامات سے ٹھکراؤ ہو پھر ایسی اطاعت قطعاً جائز نہیں جلیل القدر صحابی حضرت معاذ ابن جبل حضور ﷺ سے نقل فرما رہے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی جن میں ایک یہ بھی ہے: ولا تعقن والدیک وان امراک ان تخرج من اھلک ومالک (رواہ احمد)

ترجمہ: اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرنا اگر چہ وہ تم کو یہ حکم دیں کہ تم اپنے بیوی، بچوں اور مال و دولت کو چھوڑ دو۔

<u>والد جنت کا عمدہ ترین دروازہ:</u> محترم ساتھیو! بہترین موقعہ ہے ان خوش قسمت حضرات کے لئے جن کے ماں باپ دونوں موجود ہیں سرکار دو عالم کے ارشاد کے مطابق اس فرد کے لئے جنت کے دو دروازے موجود ہیں اور کھلے ہیں اگر یہ چاہے تو اس کی جنت میں داخلہ کی تمنا اور خواہش پوری ہو سکتی ہے۔ شرط یہ کہ وہ اگر اپنے کسی خواہش کی تکمیل کا حکم دیں اور وہ قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو اولاد اس کی تعمیل کو اپنے اوپر ایسا فرض سمجھ کر کے ادا کرے جیسے کہ نماز پڑھنا فریضہ ہے۔ انبیاء کے سردار ﷺ نے فرمایا: الوالد اوسط ابواب الجنۃ فان شئت فحافظ علی الباب اوضیع (رواہ ترمذی)

ترجمہ: باپ جنت کے دروازوں میں سے عمدہ ترین دروازہ ہے اگر تو چاہے تو اس بہترین دروازے کی حفاظت کر (یعنی اسے اپنی جنت میں داخلہ کا سبب بنا اور اگر بد قسمتی سے باپ کی رضا مندی جیسے عظیم نعمت سے محروم رہ کر اس نعمت کو ضائع اور ناراض کر دیا۔) تو اس اعلیٰ ترین جنت میں داخل ہونے کے سبب جو برکات تھے اس سے محروم ہو جاؤ گے، اور ایک دوسرے موقع پر حضور ﷺ نے یہی فرمایا کہ تین قسم کے لوگ جنت میں داخل ہونے کے نا اہل ہوں گے جن میں ایک "العاق لو الدیہ" جو ماں باپ کا نافرمان ہو۔

والدین کی اہمیت اور ان کی عظمت شان کو رسول اکرم ﷺ نے جس بلیغ انداز میں ذکر فرمایا ان میں سے چند اقوال مبارکہ کا ذکر کر کے مقصود یہ ہے کہ آج کے مسلم معاشرہ میں والدین کو جو مقام دیا جا رہا ہے۔ قرآنی احکامات اور نبوی تعلیمات کے مطابق ہے، یا ان کی مخالفت کی جارہی ہے۔ ہم میں سے ہر فرد اپنے اپنے گریبان میں جھانک کر والدین کے بارہ میں اپنے رویوں، اعمال و کردار کا محاسبہ کر کے جہاں کمی و کوتاہی ہو رہی ہے، ان کا ازالہ کیا جائے، باقی رہا وہ حدیث مبارکہ جس کا ذکر ابتداء میں کر چکا ہوں کہ والدین کی نافرمانی اور اہانت ایک ایسا جرم ہے جس کی سزا اور مؤاخذہ اس حیات مستعار ہی سے شروع ہو جاتی ہے کے بارہ میں انشاء اللہ معروضات اگلے جمعہ عرض کرنے کی کوشش کروں گا۔ رب ذوالجلال ہم سب کو والدین کی تذلیل و نافرمانی سے محفوظ فرما کر ان کو وہی مقام دینے کی ہمت و توفیق نصیب فرمائے جس کا مطالبہ ہم سے قرآن و رحمۃ عالم ﷺ کے فرمودات میں کیا جا رہا ہے۔ امین

مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی

امام العصر، محدث جلیل
حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ
احوال وخدمات اور کمالات کی ایک جھلک

برصغیر ہند کی گزشتہ تقریباً سوا سو سال کی دینی، علمی تحریک جن اکابر علماء کی ممنون کرام اور خصوصاً تعلیمات ولی اللّٰہی کا گلستاں جن کی خدمات سے سرسبز وشاداب ہے، نیز دار العلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور اور ان سے متعلق مدرسے اور علماء، جس شجر پر بہار کی شاخیں ہیں اس میں ایک بہت ہی ممتاز اور برگزیدہ نام محدث عصر، فقیہ جلیل، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا ہے۔ اور بلا تامل کہا جاسکتا ہے کہ دار العلوم دیوبند اور مدارس اسلامیہ کی تاسیس کی جو روایت قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے قائم کی تھی، اس کی سب سے زیادہ آبیاری اور سرپرستی حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ہی فرمائی، ان مدارس کے ذریعہ سے علم وکمال اور خدمت قرآن وحدیث اور فقہ وشریعت کا جو دریا جاری ہوا اور اتباع دین وشریعت کی جو فضائیں اور اسکی جو باد بہاری چلی اس میں بھی حضرت والا کے رسوخ فی العلم اور دعوت و اتباع سنت کے گہرے اثرات صاف دیکھے جاسکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا کی ذات گرامی اپنے آپ میں ایک بڑا مرکز علم، بڑا ادارہ اور دار العلوم تھی، جس میں علم وتدریس کا سلسلہ بھی تھا اور تربیت باطن کی فکر بھی، قدم قدم اتباع سنت کا ذکر اور رسومات وبدعات کی بیخ کنی کا اہتمام تھا، اور خانوادۂ ولی اللّٰہی کے بعد حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی کوششوں سے جو ایک دنیائے علم وعمل آباد ہوئی تھی، جب اس کی آبادیوں میں شکست وریخت کے کچھ آثار ظاہر ہوئے تو حضرت مولانا گنگوہیؒ کی توجہ، محنت اور کوششوں سے اس کی تجدید وتزئین ہوئی اور یوں اس روایت کا تسلسل جاری رہا۔

وطن:

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اس خانوادے کے ایک فرد ہیں جس کا آبائی وطن رامپور ضلع سہارنپور تھا، اس خاندان کا ایک گھرانہ رام پور سے سہارنپور منتقل ہوگیا تھا، اسی میں حضرت گنگوہی تولد ہوئے [1]

خاندان

چھٹی صدی ہجری میں پیر ہرات حضرت شیخ عبداللہ انصاری (وفات: ۴۸۱ھ ۱۰۸۹ء) کے پوتے شیخ جلال الدین بن شیخ سلیم بن محمد اسماعیل بن شیخ الاسلام عبداللہ انصاری ہندوستان آئے اور میرٹھ کے نواح میں واقع ایک پررونق اور آباد بستی سَر سَل [۲] میں آباد ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد واخلاف میں بہت برکت عطا فرمائی اور اس وقت یوپی میں قدیم انصاری خاندان اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کی اولاد کی جس قدر بھی شاخیں ہیں وہ سب انہی کی اولاد میں ہیں۔ پانی پت اور نواح اضلاع سہارنپور وغیرہ کے انصاری خاندان بھی اسی سے وابستہ ہیں' اپنے نصاب تعلیم کے لئے شہرہ آفاق شخصیت' علامہ نظام الدین سہالوی اور فرنگی محل کے علماء بھی اسی شجر کی پر بہار شاخیں ہیں [۳]۔

اجداد:

اسی خاندان کے چند افراد موضع برناوہ سے رام پور منیہاران ضلع سہارنپور چلے گئے تھے' بعد میں اسی گھرانہ کی ایک شاخ رامپور سے نواحی بستی گنگوہ منتقل ہوئی۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ کا خاندان اور بزرگ بھی اسی میں سے ہیں' مولانا کا سلسلہء نسب اس طرح ہے۔

''حضرت مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش بن قاضی غلام حسن بن قاضی غلام علی بن قاضی علی اکبر بن قاضی محمد اسلم انصاری'' [۵]

مولانا کے خاندان میں علم کی روایت اور اس کے اثرات قدیم تھے' حضرت مولانا کے والد ماجد ہدایت احمد کی تقریباً ۱۲۱۶ھ (۱۸۰۰ء) میں ولادت ہوئی' عالم اور صاحب کمال تھے' خانوادہ حضرت شاہ ولی اللہ کے علماء (غالباً حضرت شاہ محمد اسحاقؒ؟) سے تعلیم حاصل کی اور اس عہد کے جلیل القدر شیخ شاہ غلام علی (وفات ۱۲۴۰ھ) سے بیعت ہوئے اور خلافت واجازت سے نوازے گئے' علم اور کتابوں کے شائع تھے' کثرت سے کتابیں نقل کیا کرتے تھے' مولانا ہدایت احمد کی ساڑھے پینتیس سال کی عمر میں جمادی الاخریٰ ۱۲۵۲ھ (ستمبر' اکتوبر ۱۸۳۵ء) میں گورکھپور میں وفات ہوئی [۶]۔

مولانا ہدایت احمد کے تین بیٹے اور دو لڑکیاں تھیں' مولانا عنایت احمد' حضرت مولانا رشید احمد اور سعید احمد' مؤخر الذکر کم سنی میں نو سال کی عمر میں فوت ہو گئے تھے' مولوی عنایت احمد حضرت مولانا سے بڑے تھے اور مولانا نے ان سے ابتدائی چند کتابیں بھی پڑھی تھیں۔

ولادت:

حضرت مولانا ۶ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ (۱۱ مئی ۱۸۲۹ء) کو دوشنبہ کے دن گنگوہ میں پیدا ہوئے' سات سال کی عمر تھی کہ والد صاحب رحلت کر گئے۔ دادا اور ماموں نے پرورش اور ہر طرح کی سرپرستی فرمائی اور تعلیم وتربیت کا بہتر

سے بہتر انتظام کیا۔

تعلیم، آغاز سے تکمیل تک:

دینی گھرانوں اور شرفاء کے معمول کے مطابق سب سے پہلے قرآں شریف کی تعلیم پر توجہ کی گئی، ایک مقامی معلم حافظ قطب بخش گنگوہی سے تعلیم کا آغاز ہوا، چونکہ والد صاحب کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا اس لئے والدہ کے ساتھ اپنے چھوٹے ماموں مولوی محمد تقی صاحب گنگوہیؒ سے کرنال میں رہ کر فارسی پڑھی، فارسی کی چند کتابیں مولوی محمد غوث گنگوہی سے پڑھیں (۷)۔

فارسی کے بعد عربی کی ابتدائی کتابیں شروع ہوئیں، عربی کی تعلیم اپنے آبائی وطن رامپور کے ایک برگزیدہ شخص اور فاضل مولانا محمد حسن (عرف محمد بخش) رامپوری (۸) سے حاصل کی، مولانا محمد حسن نے ہدایۃ النحو پڑھانے کے بعد ہدایت کی کہ اور کتابوں کے لئے دہلی جانا چاہیے، مولانا محمد بخش (حسن) صاحب بھی دہلی میں تعلیم پائے ہوئے تھے۔ اس لئے مولانا کے ساتھ دہلی آنا ہوا، اس وقت حضرت مولانا مملوک العلی دہلی کالج میں استاذ اور مرجع العلماء تھے (اور اطراف سہارنپور کے علاوہ دہلی کے ممتاز علماء اور نامور اصحاب درس میں سے شمار ہوتے تھے) مگر مولانا گنگوہی کو حضرت مولانا مملوک العلی نانوتوی کی بے پناہ مصروفیت اور وقت کے فقدان کی وجہ سے مولانا کے حلقہ درس میں جلد داخلہ نہیں ملا اس میں خاص وقت غالباً کئی مہینے لگے تھے، مولانا گنگوہیؒ نے اس درمیان اور علماء سے پڑھا، حضرت مولانا کے حوالہ سے مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے نقل کیا ہے کہ:

''ابتداً ہم دہلی میں دوسرے استاذہ سے پڑھتے تھے لیکن تسکین نہیں ہوتی تھی، کہیں سبق تھوڑا ہوتا تھا، کہیں شبہات کا جواب نہ ملتا تھا، مگر جب مولانا مملوک العلی صاحبؒ کی خدمت میں پہونچے تو ہمیں اطمینان ہوگیا اور بہت تھوڑے عرصہ میں کتابیں ختم کرلیں''(۹)۔

ان اساتذہ کی فہرست میں سب سے پہلا نام اس وقت کے ایک مدرس مولانا احمد الدین پنجابی (۱۰) کا ہے، مولانا احمد الدین سے غالباً ہدایۃ النحو سے متوسطات تک پڑھنے کا موقع ملا، دہلی کے ایک اور جلیل القدر اور سلسلہ مجددیہ کے شیخ شاہ احمد سعید مجددی سے بھی تلمذ تھا، ایک اور استاذ مولانا کریم بخش پنجابی (۱۱) تھے، حضرت مولانا کے اساتذہ میں ایک اور اہم نام مولانا مفتی صدر الدین آزردہ کا ہے جو دہلی کی بزم علم کے گویا صدر نشین اور مرجع کل تھے، مگر مذکورہ بزرگوں کی تعلیم و تربیت کے علاوہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کی علمی ترقیات اور تعلیم و تربیت میں سب سے بڑا حصہ استاذ العلماء حضرت مولانا مملوک العلی نانوتویؒ کا ہے، اگرچہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کو مولانا نانوتوی کی خدمت میں حاضر کا دیر سے موقع ملا مگر مولانا کے اسباق میں پہونچ کر اندازہ بلکہ یہ تجربہ ہوا کہ مولانا مملوک العلی کی درسگاہ بعض حیثیتوں سے علمائے دہلی کے حلقوں سے مختلف ہے، مولانا اس طرح پڑھاتے ہیں جیسے گھول کر پلا دیا ہو، حضرت مولانا گنگوہی فرماتے

تھے۔" مگر جب مولانا مملوک العلی صاحبؒ کی خدمت میں پہنچے تو اطمینان ہوگیا اور بہت تھوڑے عرصہ میں کتابیں ختم کرلیں' گویا استاذ نے گھول کر پلا دیا' فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں اچھے اچھے استاذ دہلی میں موجود تھے مگر ایسے استاذ کہ مطلب پوری طرح انکے قابو میں ہو اور انواع مختلفہ سے تقریر کرکے شاگرد کے ذہن نشین کردیں ایک ہمارے استاذ مولانا مملوک العلی صاحب' دوسرے ہمارے استاذ مفتی صدرالدین آزردہ تھے۔ (۱۲)

حضرت مولانا مملوک العلی سے کیا کیا کتابیں پڑھیں اور دوسرے اساتذہ کی خدمت میں کن کتابوں کا درس لیا' اس کی تفصیل دریافت نہیں' مگر اس میں شک نہیں کہ مولانا گنگوہی کی تعلیم کے علاوہ مولانا کے فکر ومزاج کی تشکیل میں بھی حضرت مولانا مملوک العلی کا بہت بڑا اور اہم حصہ ہے۔

حضرت مولانا مملوک العلی کی خدمت میں درسیات اور معقولات کی تکمیل کے بعد درس حدیث کے لئے دہلی کے نامور محدث' حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددی کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور صحاح ستہ کا درس لیا' اور اجازت حدیث حاصل کی' دہلی میں حضرت مولانا گنگوہی کا تعلیمی سفر بہت تیزی سے طے ہوا' دہلی پہنچ کر نصاب کی عام ترتیب کے مطابق غالباً کافیہ وغیرہ متوسطات سے پڑھنا شروع کیا تھا اور چار سال کی قلیل مدت میں دورۂ حدیث شریف تک جملہ درسیات کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم پا کر فارغ ہوگئے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

کہا جاتا ہے کہ قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا گنگوہیؒ دونوں ساتھی اور ہم سبق تھے' ساتھ ہی ساتھ پڑھا' ساتھ ہی فارغ ہوئے' یہ روایت زبانوں پر بھی ہے' اور کئی مضامین وتحریرات میں بھی نقل ہوگئی ہے مگر یہ صحیح نہیں' اس میں شک نہیں کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ اور حضرت مولانا نانوتوی کا زمانہ تعلیم تقریباً ایک ہے اور دونوں میں دوستی اور موانست وملاقات کے گہرے مراسم تھے اور یہ بھی ہے کہ دونوں چند کتابوں میں ہم سبق اور ساتھ رہے مگر اکثر کتابوں اور تعلیم کی ترتیب میں ایک دوسرے سے مختلف رہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ۱۲۶۱ھ میں مولانا مملوک العلی کے ساتھ نانوتہ سے دہلی آئے تھے (۱۳) اور اسی وقت سے حضرت مولانا کی نگرانی میں سلسلہ تلمذ اور تربیت میں داخل تھے' مولانا محمد قاسم صاحب نے اپنی تعلیم کا اکثر وقت حضرت مولانا مملوک العلی کی صحبت وشاگردی میں گزارا اور دہلی کالج میں بھی داخل رہے' حضرت مولانا گنگوہی کس وقت دہلی آئے اس کا تعین مشکل ہے' بہرحال جب بھی آئے دہلی کے مختلف استاذوں اور علماء سے پڑھتے رہے' مولانا (گنگوہیؒ) حضرت مولانا مملوک العلی کے شاگردوں کی صف میں دیر سے شامل ہوئے اور حضرت مولانا سے تعلیم کے زمانہ میں بھی (دیگر) علماء مثلاً مولانا احمد سعید مجددی اور مولانا مفتی صدرالدین آزردہ کے درس کے حلقوں میں حاضر ہوتے رہے' نیز حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا نانوتوی کی زیر تعلیم وتدریس کتابوں کی ترتیب میں بھی

یکسانیت نہیں تھی اور اس کی بھی صراحت ملتی ہے کہ حضرت مولانا گنگوہی تعلیم سے فارغ ہو کر وطن واپس ہو گئے تھے' مگر حضرت مولانا نانوتوی غالباً آخری درجات یا حدیث شریف کے اسباق کی تکمیل فرما رہے تھے۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ میں دونوں میں نہایت دوستی تھی' مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ دونوں بزرگ تمام کتابوں میں ساتھ اور سب اساتذہ کی مجلسوں میں ہم سبق ہوں نیز یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحبؒ تعلیم کے زمانہ میں حضرت مولانا مملوک العلی کے دولت کدہ پر قیام فرما رہے مگر مولانا گنگوہی کہاں رہے اس کی صراحت نہیں ملتی۔

تعلیم کے بعد:

مولانا گنگوہیؒ تعلیم سے فراغت کے بعد وطن آ گئے تھے' اگر مولانا چاہتے یا پسند کرتے تو بڑی سے بڑی سرکاری ملازمت یا ریاستوں میں عہدہ و منصب مل جاتا مگر مولانا نے شروع (غالباً طالب علمی کے وقت ہی سے) للہ دینی خدمت اور بلا کسی معاوضہ کے درس و افادہ کا ارادہ فرما لیا تھا' اور دہلی میں طالب علمی کے ساتھ ہی طلبہ کو اسباق شروع کرا دیئے تھے' دہلی میں حضرت مولانا سے جو طلبہ وابستہ ہوئے اور مولانا سے تلمذ و استفادہ کیا اس میں مولانا ملا محمود دیوبندی بھی تھے (جو دیوبند میں پہلے مدرس مقرر کئے گئے تھے) اسی دور کے شاگردوں میں مولانا ابوالنصر گنگوہی اور مولانا ابوالقاسم گنگوہی [14] بھی شامل ہیں' دہلی میں اور طلبہ نے بھی پڑھا ہوگا مگر اس کی تفصیل دستیاب نہیں۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد گنگوہ آئے تو یہاں بھی تدریس کا سامان ہو گیا' سب سے پہلے نکوڑ سے مولوی سید مؤمن علی صاحب تعلیم کیلئے حاضر ہوئے اور پھر یہ سلسلہ ایسا جاری اور دراز ہوا کہ حیات کے آخری زمانہ تک کم و بیش چلتا رہا' آخری دور میں اس نے ایسی شہرت حاصل کی اور حضرت کے حلقہ درس میں ایسے منتخب طالب علم اور شائقین حدیث آئے جنکے دم سے ہندوستان میں خدمت حدیث کا گلستاں لہلہا اٹھا اور برصغیر کے دور دراز کونوں تک حضرت کے شاگرد پہنچ گئے اور ان میں سے اکثر نے اپنی اپنی جگہوں پر خدمت دین اور احیائے سنت کی بے نظیر خدمات سرانجام دیں۔

مولانا کے تلامذہ کا سلسلہ کس قدر وسیع ہو گیا تھا اور اس کے کیسے کیسے منافع و اثرات تھے اس کا خود حضرت مولانا نے حضرت حاجی صاحب کے نام اپنے ایک خط میں (جو ۱۳۰۶ھ کا لکھا ہوا تھا) یوں ذکر فرمایا ہے:

''حضرت مرشد من! علم ظاہری کا تو یہ حال ہے کہ آپ کی خدمت سے ۔۔ رہوئے غالباً عرصہ سات سال سے کچھ زیادہ ہوا [15] اس سال سے اب تک دو سو سے چند عدد زیادہ آدمی سند حدیث حاصل کر گئے اور اکثر ان میں وہ ہیں کہ انہوں نے درس جاری کیا اور سنت کے احیاء میں سرگرم ہوئے اور اشاعت دین ان سے ہوئی اور اس شرف سے زیادہ کوئی شرف نہیں اگر قبول ہو جاوے'' (مکتوب محررہ ۱۳۰۶ھ) [16]

بیعت و اجازت:

حضرت مولانا کی طالب علمی کے وقت حضرت حاجی امداد اللہ صاحب' حضرت مولانا مملوک العلی نانوتوی

کے یہاں تشریف لاتے تھے اور حضرت مولانا نانوتویؒ حاجی صاحب کا بہت احترام کرتے تھے۔ (حالانکہ مولانا ملک کے نامور علماء میں سے تھے اور حاجی صاحب سے عمر میں بھی بہت بڑے تھے) مولانا نانوتویؒ کے حضرت حاجی صاحب کے خاص احترام کی وجہ سے مولانا گنگوہی کو بھی حضرت حاجی صاحب سے محبت وعقیدت ہوگئی تھی اسی طرح (حضرت مولانا گنگوہیؒ پر) حضرت شاہ عبدالغنی کے علوم مرتبت اور اتباع سنت کا بھی گہرا اثر تھا مگر تعلیم کے اختتام تک اس کا فیصلہ نہیں کر سکے تھے کہ کس سے بیعت ہونا چاہئے زمانہ طالب علمی تک حضرت شاہ عبدالغنی سے بیعت ہونے کا خیال تھا مگر گنگوہ سے آنے کے کچھ ہی دنوں بعد ایک ضرورت سے تھانہ بھون آنا ہوا جہاں حاجی صاحب قیام فرماتے اللہ کا کرنا کہ اس مقصد کے پورا ہونے سے پہلے حضرت حاجی صاحب کی توجہ سے مالا مال ہوگئے اور اسی سفر میں حضرت حاجی صاحب نے بیعت سے مشرف فرمایا۔

طبیعت کا جوہر پہلے سے صیقل شدہ اور تیار تھا اس لئے بیعت کے بعد اس کی آب وتاب میں روز افزوں اضافہ ہوا اور حضرت پیرو مرشد پر بھی غالباً یہ منکشف ہوگیا تھا کہ وہ وقت دور نہیں کہ یہ نوعمر مسترشد اور تازہ دم فارغ طالب علم دین اور علم کا آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے گا۔ اور اس کا وجود ملت کے لئے متاع بے بہا ثابت ہوگا اور اسکے دم سے ہزاروں خادمان حدیث تیار اور بیچاسوں خانقاہیں آباد ہوں گی یہی اس قافلہ کا قافلہ سالار اور دین علم کے شائقین کا مرجع ہوگا اس لئے حضرت حاجی صاحب نے دو ملاقاتوں کے بعد مولانا کے تیسری مرتبہ تھانہ بھون آنے کے وقت اجازت وخلافت عنایت فرمادی اور اس کے بعد جب حضرت حاجی صاحب گنگوہ گئے تو اپنی موجودگی میں ایک خاتون کو حضرت گنگوہی سے اپنے سامنے بیعت کرا کر گویا اس کا اعلان کردیا کہ اب مولانا گنگوہی میرے قائم مقام ہیں۔

خدمات واثرات:

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کی اطلاع کے مطابق حضرت مولانا گنگوہی اپنی عمر کے اکیسویں سال (یعنی ۱۶۶۵ھ) میں تعلیم سے فارغ ہوکر گنگوہ واپس آگئے تھے اسوقت سے زندگی کے آخری ایام تک وہیں قیام کیا اور اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ دین کی خدمت، تعلیم وتدریس، اصلاح وارشاد اور معاشرہ کی برائیوں کو ختم کرنے میں گزارا عقائد اور معاملات کے بگاڑ کو دور کرنے کی کوشش کی، فقہی مسائل ومباحث میں عوام وخواص کی رہنمائی، ان کے سوالات کے جوابات لکھنا، ان کے علمی وقلبی سوالات ومشکلات کے حل کی جستجو اور بھٹکے ہوئے آہو کو بہتر سے بہتر طریقے اور عمدہ ترین تدبیر کے ذریعہ سے صحیح راستہ پر لانے کی دن رات بلکہ تمام عمر متواتر جدوجہد حضرت مولانا کا طغرائے امتیاز ہے۔

یہ بات بلاتردد کہی جاسکتی ہے کہ برصغیر ہند وپاکستان میں حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے بعد اتباع سنت رسوم وبدعات کی تردید میں کوئی اور اس قدر طاقتور، بلند بانگ اور متواتر آواز نہیں اٹھی جیسی حضرت مولانا گنگوہی کی تھی، حضرت مولانا اس سلسلے کے وہ پہلے اور غالباً سب سے بڑے عالم ومرشد اور مصلح ہیں جنہوں نے اسی انداز وآہنگ میں

اس پیام کی تجدید کی اور اس پیغام کی جس پر زمانہ گزرنے کے ساتھ کچھ میل سا آنے لگا تھا اس شان سے تجدید فرمائی کہ وہ پھر اک نئی قوت‘ نئی طاقت اور مسلسل تحریک بن کر عام ہو گیا۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کے حلقہ تربیت سے جو افراد اٹھے ان میں سے ایک بڑی تعداد ایسے علماء اور اصحاب معرفت کی تھی جنہوں نے اس دعوت و پیام کو اپنا نصب العین بنا کر اپنی زندگیاں اس کی جدوجہد اور اس کی تبلیغ و ترویج کے لئے وقف کر دی تھیں۔ اور انہوں نے اپنی سادگی‘ بے نفسی اور بے غرض کوشش سے اس کی جڑیں بہت دور تک اور اس طرح گہرائی تک پہنچا دی ہیں کہ ان سے خود بخود نئی نئی کونپلیں اور نئے نئے پودے پھوٹتے اور پروان چڑھتے رہتے ہیں‘ جو اس تحریک کے ایسے ہی پر جوش خادم بنتے ہیں اور راہ شریعت و سنت پر اسی طرح قدم بہ قدم چلنے کی کوشش کرتے ہیں‘ جس طرح ان کے بزرگوں اور اس خانوادے کے اکابر علماء نے چلنے کی کوشش کی تھی۔

یہاں یہ بھی عرض کر دینا چاہیے کہ خانوادۂ ولی اللٰہی کی وراثت اور نیابت و نمائندگی کا سب سے بہتر نمونہ اور جامع ترین ترجمانی وہ ہے جو علمائے دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور وغیرہ کے ذریعہ سے ہوئی اور ہو رہی ہے۔ لیکن ان دونوں اداروں اور ان کے متاخر وابستگان کو فکر ولی اللہی کا ایسا موقع اور شاندار ترجمان بنانے‘ نیز اتباع سنت‘ شریعت و تصوف کی جامعیت اور حدیث شریف کے اعلیٰ ترین مدارج کے حصول کے ساتھ حنفیت کی پاسداری نیز دین و شریعت اور اسلام پر اندرونی و بیرونی جماعتوں‘ طبقات اور گروہوں کی طرف سے اعتراضات اور رخنہ اندازی کی کوششوں کے دفاع کا سبق کس سے ملا؟ اس میں صرف دو ہی حضرات کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں‘ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ۔ مگر یہ بات قابل غور ہے کہ اگرچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی فرماتے تھے لیکن مصروفیات اور مطالعہ سے وابستگی کی وجہ سے حضرت مولانا نانوتوی کا دیوبند میں کم وقت گزرا‘ اور ابھی مدرسہ دیوبند کو قائم ہوئے دس برس بھی پورے نہیں ہوئے تھے اور اس کے قیام کے جو مقاصد تھے وہ سب پوری طرح بروئے کار نہ آنے پائے تھے کہ حضرت مولانا نانوتوی رحلت فرما گئے۔ مگر حضرت مولانا گنگوہیؒ دونوں اداروں کے سرپرست اور مربی تھے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ کی عملی جدوجہد کا دائرہ بہت سے گوشوں پر پھیلا ہوا تھا۔ اور حضرت مولانا نانوتوی کی وفات کے بعد حضرت مولانا گنگوہیؒ دارالعلوم کے اور بعد میں مظاہر علوم کے بھی سرپرست بنائے گئے‘ دونوں مدرسوں کے تمام معاملات میں حضرت مولانا کی رائے قول فیصل اور حکم کا درجہ رکھتی تھی‘ اگرچہ حضرت مولانا گنگوہی دونوں مدرسوں کے آغاز کے وقت سے ہی دونوں کے معاملات میں مشیر اور کسی قدر دخیل بھی تھے اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی وفات کے بعد مدرسہ دیوبند کے سرپرست اول بنا دیئے گئے تھے‘ یہی مظاہر علوم سہارنپور میں بھی ہوا۔ اگرچہ مظاہر علوم کے سرپرستوں کی فہرست میں حضرت مولانا کا نام دیر میں آیا‘ مگر مدرسے کے قیام کے وقت سے مدرسے کے ذمہ داران خصوصاً مولانا محمد مظہر نانوتوی حضرت مولانا کے خاص نیازمند

...اضر خدمت رہنے والے علماء میں تھے' جو کوئی بھی کام حضرت مولانا کے مشورے کے بغیر نہیں کرتے تھے۔

اس طرح ان دونوں مدرسوں کے تقریباً تمام اختیارات حضرت مولانا گنگوہی کے پاس آ گئے تھے' اور ... بھی دونوں مدرسوں کے اکثر ذمہ داران اور اساتذہ حضرت مولانا کے دامن تربیت سے جڑے ہوئے تھے اور مولانا کو دونوں مدرسوں کے اساتذہ اور طلباء کی تربیت کا وسیع موقع ملا۔ یہ دونوں مدرسے ۲۵ برس سے زائد عرصے تک حضرت مولانا کی نگرانی اور سرپرستی میں رہے اور مولانا کی افکار و تعلیمات اور طریقہ تعلیم و تربیت کا نمونہ اور مثال بن گئے تھے۔

حضرت مولانا کے حسن تربیت اور عنایات و محبت کے سبب حضرت مولانا کے اخلاق و کردار کے تمام محاسن' فکر و خیال کے اثرات' اتباع سنت کی رعنائی اور دین خالص پر عمل کا جذبہ مولانا کے شاگردوں اور متوسلین میں گھر کر گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی تدبر و دانائی' علم و عمل' فقہ و حدیث کی جامعیت اور اصلاح و تربیت کے ساتھ معاشرتی خرابیوں کے خلاف جدوجہد اور تمام غیر دینی' غیر اسلامی آوازوں اور فتنوں کے خلاف سینہ سپر ہونے کی بنیادی صفات دونوں مدرسوں کے ذمہ داروں اور استاذوں میں منتقل ہو گئی تھیں۔ جو دونوں مدرسوں کے لئے متاع بے بہا اور دُرِّ شہوار ثابت ہوئیں۔ ان مدرسوں کے اکثر طالب علموں نے یہی نہیں کہ ان محاسن کی قدر کی' ان کو سینہ سے لگایا بلکہ ان کو اپنی زندگی کے سفر اور دینی خدمات کیلئے رہنما اور نمونہ بنا لیا۔ یعنی حضرت مولانا گنگوہیؒ کے فکر و مزاج کی خصوصیات و امتیاز حضرت مولانا کا فیض تربیت اور صحبت کی برکت سے ان مدرسوں کا متعلقین کے فکر و مزاج میں اس طرح رچ بس گئیں کہ گویا ان کے وجود کا ایک ضروری حصہ بن گئی ہیں' اسی فکر و مزاج کو 'دیوبندیت' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا کا یہ ان مدرسوں اور ان کے متوسلین اور نام لیواؤں پر ہی نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ پر ایک بہت بڑا احسان ہے۔ اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دارالعلوم دیوبند نیز مظاہر العلوم سہارنپور کے تربیت یافتہ و ران سے وابستہ علمائے کرام کے ذریعہ سے جو دینی خدمات اب تک انجام پائی ہیں ان کی بنیاد اور فکر میں حضرت مولانا گنگوہی کے گہرے اثرات پوری طرح شامل اور گویا ایک ایک کام کا ناقابل تقسیم حصہ ہیں۔ جو ان مدرسوں کا وابستگان کے کام بلکہ روح ہیں' امید ہے کہ انشاء اللہ آئندہ بھی اسی طرح شریک و شامل رہیں گے۔

حواشی

۱۔ تذکرہ الرشید جلد اول' ص' ۱۵

۲۔ سرسل' جس کو اب سرسلی کہا جاتا ہے' بڑوت سے میرٹھ جانے والی سڑک پر موضع جوہڑی اور بنولی کے بیچ میں سڑک سے کچھ فاصلہ پر ہے' کسی زمانہ میں یہ گاؤں ایک بڑی اور نہایت پررونق آبادی تھی' اب ایک بہت چھوٹا اور گم نام گاؤں ہے' جس میں غیر مسلم آباد ہیں' مسلمانوں کے گنتی کے چند گھر رہ گئے ہیں' بعد میں یہ خانوادہ سرسل سے برناوہ آ گیا تھا جو اسی نواح کا ایک اور قصبہ ہے' یہاں اس کو

بہت عروج ہا' بڑے بڑے نامور مشائخ اہل اللہ اور علماء اس میں پیدا ہوئے جس میں سے شیخ بدر الدین برناوی کو بہت عروج ہوا' حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے خلیفہ ہیں اسی طرح اور بھی متعدد اصحاب ہیں۔

۳۔ علمائے فرنگی محل کے احوال پر تمام معتبر کتابوں میں اس کا ذکر بلکہ خاصی تفصیل درج ہے' مثلاً ملاحظہ ہوں' الف: اغصان اربعہ ب: احوال علمائے فرنگی محل' شیخ الطاف الرحمان بارہ بنکوی　ج: تذکرہ علمائے فرنگی محل' مفتی عنایت اللہ صاحب۔

۴۔ تذکرۃ الرشید جلد اول 'ص ۱۳　۵۔ تذکرۃ الرشید ص:۱۷' ج' اول۔

۶۔ مولانا شاہ محمد غوث گنگوہ کی ایک معروف شخصیت اور شیخ طریقت تھے' جو شاہ محمد رمضان ''ہادی ہریانہ'' شہید ۱۲۴۰ھ کے خلیفہ مجاز تھے ''ہادی ہریانہ'' تالیف پروفیسر منظور الحق صدیقی' ص ۱۴۸' (لاہور' ۱۹۶۳) مولانا محمد غوث کی متوسلین کے لیے تعلیم و ہدایات پر مشتمل چند مختصر و متفرق تحریریں ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہیں۔

۷۔ مولانا عاشق الٰہی نے یہ نام محمد بخش لکھا ہے (تذکرۃ الرشید ص:۲۷' ج:۱) صحیح نام محمد حسن ہے (مقامی طور پر محمد بخش کے نام سے بھی جانے جاتے تھے) مولانا محمد حسن حضرت مولانا مملوک العلی کے شاگرد' صاحب فضل و کمال اور صاحب ارشاد معرفت بزرگ تھے' مولانا محمد حسن نے مدینہ منورہ جا کر حدیث شریف پڑھی تھی' حضرت مولانا گنگوہیؒ کو مولانا محمد حسن صاحب سے ابتدائی درسیات میں تلمذ کے علاوہ دلائل الخیرات اور حزب البحر کی اجازت بھی حاصل تھی' مولانا محمد حسن شاہ امام علی کے خلیفہ اور بڑے بزرگ تھے' مولانا کی ۱۷ ذیقعدہ ۱۲۵۹ھ (دسمبر ۱۸۵۳ء) میں وفات ہوئی مزید معلومات کے لئے ملاحظہ ہو' 'تذکرہ العابدین'' ص:۵۳ تا ۵۷ (دہلی: ۱۳۳۳ھ) اور ''انوار العاشقین' مولانا مشتاق احمد صاحب انبہٹاوی ص :۳۴:۳۵ (لاہور ۱۳۹۸ھ)

۸۔ تذکرۃ الرشید' ص ۳۰' ج' اول (عکس طبع اول' سہارنپور ۱۹۷۷)

۹۔ مولانا احمد الدین کو مولانا میرٹھی نے جہلمی لکھا ہے' لیکن ڈاکٹر سفیر اختر صاحب (اختر راہی) نے ان کو کرسالی ضلع چکوال کا باشندہ بتایا ہے اور بہ ظاہر یہی صحیح ہے' تذکرہ علمائے پنجاب ص ۸۰' ج:اول (لاہور ۱۹۹۸ء)

۱۰۔ تذکرۃ الرشید جلد دوم ص: ۱۸۰

۱۱۔ تذکرہ الرشید ص' ۳۰۔۳۱' ج:اول

۱۲۔ حضرت مولانا محمد قاسم کے تعلیم کے لئے دہلی آنے کا سند عموماً ۱۳۲۰ھ نقل کیا جاتا ہے جو صحیح ۱۲۶۱ھ (جنوری ۱۸۴۴) ہے جو یہاں لکھا گیا ہے' تفصیل و تحقیق کے لئے رجوع فرمائیں راقم سطور کی تالیف ''قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ احوال و آثار و باقیات و متعلقات'' صح:۱۷۷۔۱۷۸ وغیرہ (طبع اول' کاندھلہ: ۱۴۲۱ھ)

۱۳۔ تذکرہ الرشید ص ۳۷' ج :اول

۱۴۔ حضرت مولانا گنگوہی اپنے تیسرے سفر حج سے ۱۳۰۰ھ میں گنگوہ واپس پہنچے تھے۔

پروفیسر محمد یونس میو*

فقہ اسلامی کی تشکیلِ جدید میں اصول وکلیات کی اہمیت

فقہ اسلامی کے ماخذ سے فقہی اصوؔل وکلیات کا قریبی تعلق ہے [۱]۔ یہ تعلق اس قدر قابل بیان ہے کہ بعض ماخذ فقہ ایسے ہیں جن کو اصول وکلیات میں بھی بڑی اہم جگہ دی گئی ہے۔ مثلاً ''عرف ورواج'' فقہ اسلامی کا گیارھواں ماخذ ہے جس کے بارے میں فقہانے کہا ہے۔ فقہانے عرف ورواج کونہایت اونچا درجہ دیا ہے ان کا قول ہے کہ عادت فیصلہ کن چیز ہے'' [۲] دوسری طرف فقہی کلیات [۳] میں بھی عادت کی حیثیت ایک فیصلہ کن امر کی ہے۔ نیز اس کی شرح میں حاصل بحث کے طور پر یہ لکھا ہے'' کہ فقہانے مقررہ حدود وقیود کے مطابق عادت کونہایت اونچا مقام دیا ہے اور اس کی وجہ سے حالات ومقامات کے لحاظ سے احکام میں تبدیلی کی ہے [۴] بشرطیکہ عادت کا ظہور کسی نص کے خلاف نہ ہو۔ [۵] ''فقہ اسلامی کے ماخذ اور اصول وکلیات میں اسی قربت کی بنا پر اسلام نے ان کلیات سے احکام کی جمع وتدوین میں کافی مدد لی ہے [۶] ان ماخذ وکلیات کے بنیادی اصول تین ہیں یعنی عدم حرج' قلت تکلیف اور تدریج۔ [۷] اس کا مطلب ہے کہ ماخذ فقہ کی مدد سے جو بھی فقہ تشکیل پائے گی اس میں اصول وکلیات کی اعانت کو مدنظر رکھا جائے گا۔ فقہا نے کلیہ کی یہ تعریف کی ہے۔

کلیہ:　''ایسا حکم جو اپنی تمام جزئیات پر حاوی ہو'' [۸]

الفرع:　الفرع فی المسائل العلمیۃ' مسائل قیاسیہ یعنی وہ مسائل جو کسی دوسری چیز پر مبنی ہوں اور اس پر ان کو قیاس کیا گیا ہو' اس کے مقابل اصل ہے [۹]۔ قواعد کلیہ ایسے عام اصول ہوتے ہیں جن کے تحت اکثر جزئیات آتے ہیں اور ان کی بنیاد اکثریت پر ہوتی ہے [۱۰]۔ شریعت میں ''قواعد کلیہ'' کی مثالیں یہ ہیں۔

''ناحق قتل کا حرام ہونا' ناجائز طریق پر لوگوں کا مال ہضم کرنا کا حرام ہونا اور زنا وغیرہ کا حرام ہونا۔ یہ قواعد کلیہ بقول شاطبی کے ایسے ابدی قواعد ہیں جن پر دنیا پیدا کی گئی ہے اور جن پر لوگوں کی اصلاح موقوف ہے۔ انہیں کے مطابق شرع اسلامی کے احکام آئے ہیں۔ یہ ایسے قواعد کلیہ ہیں جو قیامت تک باقی رہیں گے [۱۱]۔

ایسے ہی کچھ اور کلیات ہیں: مولانا محمد تقی امینی نے ان کلیات کی تعداد سو (۱۰۰) تک بیان کی ہے۔ دراصل یہ

---

* اسسٹنٹ پروفیسر۔ گورنمنٹ کالج آف کامرس' ڈسکہ

وہ بنیادی اصول ہیں جن کی بنیاد قرآن و حدیث کی روشنی میں حکمتِ دین پر رکھی گئی ہے۔ دینِ اسلام کی روح کے مطابق ان کلیات کی تخریج ہوئی ہے وران کی روشنی میں اجتہادات ہوتے ہیں۔ یہ دین مبین کے آئینے میں ہر دور کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہوتے ہیں اور انسانی فطرت کے قریب ہوتے ہیں۔

جیسا کہ فلسفہ شریعت اسلام کے اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ قواعد کلیہ ابدی ہوتے ہیں۔ فقیہہ درپیش مسائل کو ان کلیات کے ذیل میں رکھ کر مسئلہ کا جائزہ لیتا ہے اور پھر فتویٰ دیتا ہے۔ ایک ایک کلیہ سے متعدد مسائل اخذ کیئے جاسکتے ہیں اور ان مسائل کے اسباب و علل ایک کلیہ کے تابع ہوتے ہیں۔ گویا یہ کہنا بجا معلوم ہوتا ہے کہ اب فقہ اسلامی کے قواعد کلیہ'' میں تو اجتہاد کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ لیکن فروعی مسائل میں اجتہاد شریعت اسلامی کے دوام اور ہمہ گیریت کیلئے بہت ضروری ہے جیسا کہ صبحی محمعانی نے لکھا ہے۔'' چونکہ فروعی احکام کے علل واسباب ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں لہذا ان کیلئے ایک ایسا قاعدہ کلیہ ہونا چاہیے جس کا دائرہ اطلاق تمام فروعی احکام کو محیط ہو''(۱۲)۔

یہاں کچھ کلیات اور ان کے تابع مسائل واحکام واجتہادات کا ذکر کیا جاتا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ''فقہ اسلامی کے قواعد کلیہ میں اجتہاد کی ضرورت نہیں لیکن فروعی مسائل میں اجتہاد جاری ہے۔

معروف کلیہ ہے''المشقۃ تجلب الیسر یعنی مشقت سہولت لاتی ہے۔ اس کلیہ میں ایک بحث یہ ہے کہ مشقت کا اطلاق کس کس چیز پر ہوتا ہے۔ مولانا محمد تقی امینی نے اس بارے میں بڑی تفصیل فرمائی ہے(۱۳)۔ ڈاکٹر صبحی محمعانی نے ایک جامع جملہ بیان کیا ہے۔ یہاں تفصیل کی بجائے صرف اس جملہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

''مشقت کے مفہوم میں مجبوری اور ضرورت دونوں داخل ہیں مگر تعیشات داخل نہیں(۱۴)۔

فقہاء نے اصولی طور پر مشقت کی دو قسمیں بیان کی ہیں'' واقعی اور وہمی'' اول الذکر واقعی مشقت' کی وضاحت اس مثال سے کی جاتی ہے۔'' وہ مریض جس نے روزہ رکھ کر ابھی نہیں دیکھا کہ وہ مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے گا۔ لیکن تجربہ اور مستند حکیم کی رائے پر اس کو یقین ہے کہ روزہ رکھنے میں انتہائی مشقت برداشت کرنی پڑے گی۔ چونکہ مریض کے لئے شریعت میں رخصت موجود ہے اس لئے ایسے مریض کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دے دی جائے گی۔ گو اس نے اس کا حالیہ تجربہ نہیں کیا ہے(۱۵)۔ قرآن مجید میں اس اصول کی بنیاد ان آیات پر رکھی گئی ہے۔

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر(۱۶) - لایکلف اللہ نفساً الا وسعھا(۱۷)

یرید اللہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفاً(۱۸)

اس کلیہ کی روشنی میں فقہانے اس قسم کے احکام کا استنباط کیا ہے۔ مثلاً جب ثابت ہوجائے کہ قرض دار یک مشت قرضہ ادا نہیں کرسکتا تو قسط مقرر کرنا جائز ہوگا(۱۹) اسی طرح ''مجلہ''(۲۰) میں ہے کہ کسی نے وقت مقررہ کے لئے کشتی کرائے پر لی۔ ہنوز کشتی سمندر میں ہی تھی کہ وقت مقررہ ختم ہوگیا۔ تو ضرورت کے باعث کرایہ کا معاہدہ اس وقت تک باقی رہے

گا جب تک کشتی ساحل تک نہ پہنچ جائے [۲۱]۔ دورِ حاضر میں ایک دیہی معاشرے میں اس کی یہ مثال دی جاسکتی ہے۔

''ایک زمیندار نے اپنی زمین ٹھیکہ پر دی۔ کاشت کار کی فصل ابھی زمین میں کھڑی ہے۔ لیکن مدت معاہدہ ختم ہوجاتی ہے۔ تو یہ معاملہ فصل کی کٹائی تک مؤخر کردینا ہوگا۔

''بیع بالوفا' کا جواز کہ جب اہل بخارا پر قرضے کا بار زیادہ ہوا تو اس کی ضرورت پڑی اور انہیں قرض کی زحمت سے بچانے کے لئے بیع بالوفا کو جائز قرار دیا گیا [۲۲]۔ یہاں یہ امر لائق توجہ ہے کہ بلاشبہ ضرورت کے وقت ممنوع چیزیں مباح ہوجاتی ہیں [۲۳]۔ لیکن یا قاعدہ عام نہیں ہے۔ بلکہ یہ رعایت نص، مقدار اور وقت کی شرائط سے مشروط ہوگی [۲۴]۔ دینِ اسلام ایک فطری دین ہے جو اعتدال و توازن کی تعلیم دیتا ہے۔ عدل اور توازن تنگی اور حرج کا رفع چاہتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ماجعل علیکم فی الدین من حرج [۲۵]

مایرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھر کم [۲۶]۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم پر تنگی نہیں چاہتا البتہ وہ تمہیں پاک وصاف رکھنا چاہتا ہے۔ ان آیات کی روشنی میں فقہاء نے ایک اصول کا استنباط کیا ہے۔ "الحرج مرفوع" یعنی حرج اٹھایا گیا ہے۔

مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کو اُس کی جائز خواہشات ومرغوبات سے روک دیا ہے [۲۷]۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قدیم قوموں کے لئے جو سخت احکام مقرر کئے گئے تھے ویسے سخت احکام امتِ محمدیہ کے لئے مقرر نہیں ہیں [۲۸]۔ انہیں آیات کی بناء پر ایک اور کلیہ بھی بنایا گیا ہے۔

الضرر یزال : نقصان دور کیا جائے:

تمام فقہاء کے نزدیک اس قاعدہ کلیہ سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ جب کوئی امر مصلحت عامہ سے تعلق رکھتا ہو تو حکومت انفرادی زندگی میں مداخلت کرسکتی ہے۔ جیسے جاہل طبیب کو مطب سے روک دینا اور کسی کے مکان کو اس خوف سے مسمار کردینا کہ کہیں دوسرے مکان آگ کی لپیٹ میں نہ آجائیں۔ جب ضروری اشیاء کی ذخیرہ اندوزی کی جاری ہو تو چیزوں کے نرخ مقرر کردینا اور بوقت ضرورت ذخیرہ اندوزوں کو غلہ فروخت کرنے پر مجبور کرنا وغیرہ [۲۹]۔

مولانا تقی امینی نے اسلامی احکام وقوانین کا مزاج بیان کرتے ہوئے یہ روایت نقل کی ہے۔

''اسلام میں نہ خود نقصان اٹھانا ہے اور نہ دوسرے کو نقصان پہنچانا ہے'' [۳۰]۔

گویا شریعت کا منشا یہ ہے کہ منافع کا حصول اور مضرت کا دفعیہ ہو۔ فقہاء نے اس اصول پر عمل درآمد سے چند اور مسائل کا بھی استنباط کیا ہے۔ اور مقررہ قاعدے کے مطابق خلل اور نقصان کو دفع کیا ہے۔ مثلاً ''خرید وفروخت کا معاملہ ہونے کے بعد عیب نکلنے کی وجہ سے معاملہ کا فسخ کا اختیار' اسی طرح خیار رویت' خیار شرط اور تمام وہ صورتیں اور حالتیں جن میں تصرفات سے روک دیا جاتا ہے۔ سب اسی پر مبنی ہیں۔ شفعہ اور کراہیت کے ابواب' قصاص' حدود' کفارہ

اور تلف کر دینے کی صورت میں ضمان کے احکام اور تقسیم کے معاملہ کو فقہا نے اس اصول کے ذیل میں شمار کیا ہے"[۳۱]۔

اس اصول کے تحت جزئیات میں قدرے تفصیل مذکور ہے۔ مثلاً جب رفع شر اور جلب منفعت میں تصادم کا سامنا ہو تو فقہا رفع شر کو ترجیح دیں گے[۳۲]۔ اسی طرح جب دو نقصان سامنے آئیں گے تو ان میں سے ہلکے نقصان کو اختیار کیا جائے۔ مثلاً جان بچانے کے لئے حیوان اور مال کے نقصان کی پرواہ نہ کی جائے گی[۳۳]۔

اسی کلیہ سے ملتا جلتا ایک اور اصول ہے یعنی

ضرورتوں کی بنیاد پر ممنوعات مباح ہو جاتی ہیں: اس اصول کی بنیاد پر فقہاء نے درج ذیل قسم کے اجتہادات کیے ہیں "انتہائی بھوک کی حالت میں جان بچانے کے لئے مردار اور دیگر حرام اشیاء کا کھانا جائز ہے" "حلق میں لقمہ پھنس جائے تو شراب جیسی چیز سے گلو خلاصی کی اجازت ہے۔"

"جبر و زبردستی کی حالت میں زبان سے کلمہ کفر نکال دینا جائز ہے بشرطیکہ دل ایمان پر مطمئن ہو" اگر کوئی ایسا شخص کسی کا قرض ادا نہ کرتا ہو جس کے پاس مال موجود ہو تو قرض خواہ کے لئے مقروض کی اجازت کے بغیر قرض کی مقدار کے برابر مال لینا جائز ہے۔[۳۴]

"حملہ آور کو ہر طریقہ سے ہٹانا جائز ہے خواہ اس میں حملہ آور کے قتل تک نوبت کیوں نہ آ جائے"

یہ تمام مسائل ظاہر کرتے ہیں کہ فروعی مسائل میں اجتہاد جاری ہے' پیش آنے والے مسئلہ کو متعلقہ کلیہ کے تحت رکھ کر دیکھا جائے گا اور پھر اس فرع کے تمام مسائل کے لئے کلیہ زیر غور کے مطابق اجتہاد کیا جائے گا۔

اس بحث میں یہ بات بھی قابل بیان ہے کہ فقہا کے نزدیک اسی ضرورت کا اعتبار ہوگا جس کی بنا پر اس سے زیادہ اہم ضرورت کا فوت ہونا لازم نہ آئے۔[۳۵]

نیز جو شے ضرورت کی بناء پر مباح ہوگی بس ضرورت کی مقدار تک مباح ہوگی اس سے زیادہ کی اجازت نہ ہوگی[۳۶]۔ مثلاً "مضطر کو اس سے زیادہ حرام اشیاء کا استعمال جائز نہیں جتنی سے اس کی جان بچ جائے[۳۷]۔

اسی طرح طبیب اور دائی کو بقدر ضرورت ستر دیکھنے کی اجازت ہے' زیادہ کی اجازت نہیں ہے۔[۳۸]۔

آپ جانتے ہیں کہ فقہ اسلامی میں "ضرورت اور علت" کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بلی کا تھوڑا سا پیشاب کپڑوں کو لگ جائے تو معاف ہے' برتن میں لگ جائے تو نہیں معاف ہے' کیونکہ عموماً برتن کو ڈھک کر رکھنے کی عادت ہوتی ہے اس لئے وہاں ضرورت نہیں ہے[۳۹]۔

امام شافعی نے اسی اصول سے استدلال کیا ہے کہ "مجنوں کو ایک عورت سے زیادہ شادی کی اجازت نہیں کیونکہ اس سے زیادہ کی اس کو حاجت نہیں ہے۔ پھر عورت کی حق تلفی کا اندیشہ ہے"[۴۰]۔ جس طرح ضرورت کے رفع ہو جانے سے رعایت بھی زائل ہو جاتی ہے اسی طرح۔

اصول......

''جو شے عذر کی بنا پر جائز ہے عذر کے زوال کے بعد اس کا جواز ختم ہو جائے گا'' اسی بناء پر تیمم وغیرہ کی اجازت جن صورتوں میں ہے ان کے زائل ہونے کے بعد اجازت ختم ہو جائے گی۔ اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ بوقت ضرورت اگر اپنی جگہ دوسرے کو گواہ بنانا پڑے یعنی مرض یا سفر کی ضرورت کے پیش نظر تو ان امور کے زائل ہونے کے بعد اصل گواہ کی حاضری ضروری قرار پائے گی۔ (۴۱) مشہور حدیث ہے "انما الاعمال بالنیات وانما لکل امر مانوی" (۴۲) یعنی انسانی اعمال کو ارادے اور نیت سے وابستہ کر دیا گیا ہے۔ یعنی ایک ہی عمل کو اگر دو مختلف ارادوں سے سرانجام دیا جائے گا تو کام کی حیثیت ارادہ اور مقصد کے پیش نظر متعین کی جائے گی۔

فقہاء نے شرف انسانی اور مفاد عامہ کے لئے اس بارے میں بھی ایک اصول بنایا ہے۔ یعنی الامور بمقاصدھا'' ''کاموں کا اعتبار ان کے مقاصد کے اعتبار سے ہوتا ہے۔'' مثال سے یوں سمجھئے۔ ''اگر کوئی شخص پڑی ہوئی چیز اس نیت سے اٹھائے کہ اسے مالک کے حوالے کر دے گا تو جائز ہے اگر وہ اس چیز کو اپنے لئے اٹھائے تو غاصب کہلائے گا۔ دونوں صورتوں میں پڑی ہوئی چیز کا فعل تو یکساں ہے۔ لیکن نیت کے لحاظ سے حکم مختلف ہو جائے گا (۴۳)

فقہاء نے اس کلیہ سے بھی چند مسائل کا استنباط کیا ہے۔ مثلاً

''انگور وغیرہ کا شیرہ شراب کے لئے نہ ہو بلکہ تجارت اور سرکہ بنانے کے لئے تو جائز ہے''

''کسی سے تین دن سے قطع تعلق جائز نہیں لیکن مقصود قطع تعلق نہ ہو تو تین دن سے زیادہ میں بھی کوئی حرج نہیں''

اسی طرح شوہر کے علاوہ اور کسی کے لئے عورت کو تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں لیکن اگر سوگ مقصود نہ ہو تو ترک زینت (سوگ کی شکل میں) وغیرہ تین دن سے زائد میں مضائقہ نہیں ہے (۴۴)

دور حاضر میں بعض لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ پاک بھارت جنگ یا جہاد کشمیر اور خاص طور پر افغانستان کی صورت حال میں مسلمانوں سے لڑائی ہو رہی ہے لہذا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کشمیر اور افغانستان میں جہاد ہو رہا ہے۔ مذکورہ کلیہ کی روشنی میں اس مسئلہ کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ کشمیر کے مسلمان بھارت کے آلہ کار ہو سکتے ہیں اسی طرح افغانستان میں شمالی اتحاد کے متفرق و منتشر اجزاء استعماری قوتوں کے مقاصد کی تکمیل کے لئے لڑ رہے ہیں۔ جبکہ ''کشمیری مجاہدین'' اور ''طالبان'' کے پیش نظر مسلمانوں کو نقصان پہنچانا نہیں ہے بلکہ ان کا اصل ہدف کفار ہیں۔ اس لئے سامنے جو مسلمان بھی ہوں گے ان کا قتل جائز ہوگا۔ جیسا کہ مولانا محمد تقی امینی نے زیر بحث کلیہ کی شرح میں ارشاد فرمایا ہے۔ ''اگر دشمن میدان جنگ میں مسلمانوں اور ان کی عورتوں اور بچوں کو مسلمانوں کے سامنے کر دیں، جوابی حملہ میں اگر ان کا مارنا مقصود نہ ہو بلکہ دشمن تک پہونچنا مقصود اس کے علاوہ اور کوئی شکل موجود نہ ہو تو مسلمانوں پر حملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں''(۴۵) ۔ ایک اور مثال ملاحظہ ہو جو بسا اوقات میں پیش آسکتی ہے۔

''اگر قرآن حکیم کو کوئی آیت نماز میں کسی شخص کے جواب میں تلاوت کی گئی تو نماز باطل ہو جائے گی اسی

طرح نماز میں کوئی خوشی کی بات سن کر ''الحمدللہ'' کہایا نا گواری کی بات سن کر لاحول ولا قوۃ الا باللہ'' کہایا موت کی خبر پر انا للہ وانا الیہ راجعون'' کہا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ ان تمام صورتوں میں مقصود بدل جاتا ہے (۴۶)۔ یقین سے اطمینان اور امن کی صورت پیدا ہوتی ہے جبکہ شکوک وشبہات سے بے چینی اور اضطراب پیدا ہوتا ہے اور آپ کو یاد ہوگا کہ فقہ اسلامی کی بنیاد قلت حرج پر رکھی گئی ہے۔ بعض اوقات شک کی بناء پر پریشان ہو جاتے ہیں۔ فقہاء نے ان حالات میں بے یقینی کی کیفیت کا ازالہ کرنے کے لئے ایک کلیہ بنایا ہے یعنی

الیقین لایزال بالشک ''یقین شک سے زائل نہیں ہوتا''

اس اصول کی بنیاد حضور کی اس حدیث پر رکھی گئی ہے۔ ''جب کسی کے پیٹ میں گڑبڑ ہو اور یہ پتہ نہ چل سکے کہ وضو اور نماز کو توڑنے والی کوئی چیز پائی گئی ہے یا نہیں تو جب تک یقین نہ ہو جائے اس پر عمل نہ کرے اور بدستور وضو و نماز پر قائم رہے'' (۴۷)۔ مولانا امینی نے اس حدیث کی یہ شرح بیان کی ہے۔ کیونکہ پہلے کی حالت یقینی ہے اور درمیان میں پیش آنے والی حالت میں تذبذب اور شک ہے اس لئے اس بنا پر یقینی حالت کو شک کی وجہ سے ختم کرنے کا حکم نہیں ہے'' (۴۸) اسی سے ملتا جلتا ایک اصول یہ ہے کہ جو حالت پہلے تھی اسی کو باقی رہنے دینا اصل ہے۔ مثلاً کسی شخص کو طہارت کا یقین ہے لیکن غیر طہارت میں شک ہے تو طاہر مانا جائے گا۔ اسی طرح غیر طہارت کا یقین ہے اور طہارت میں شک ہے تو وہ غیر طاہر ہوگا کیونکہ اصل پہلے کی حالت ہے اسی کو حتی الامکان باقی رکھا جائے گا (۴۹)۔

<u>کسی کام کے کرنے نہ کرنے میں شک ہو تو نہ کرنا اصل ہوگا:</u> مثلاً جس شخص کو طلاق دینے اور نہ دینے میں شک ہو تو طلاق نہ ہوگی اور اگر عدد میں شک ہو کہ دو طلاقیں دی ہیں یا تین تو اقل دو سمجھی جائیں گی' اسی طرح نماز کے پڑھنے یا نہ پڑھنے میں شک ہو تو دوبارہ پڑھنے کا حکم ہوگا اور اگر رکعت کی تعداد میں شک ہو تو دونوں میں کم مقدار تعداد صحیح سمجھی جائے گی۔ امام اور مقتدی کے درمیان رکعتوں کی تعداد میں اختلاف ہوا اور امام کو اپنی بات پر یقین ہے تو اس پر نماز لوٹانا ضروری نہیں ہے اور اگر یقین نہیں ہے تو لوٹانا ضروری ہے (۵۰)۔

اقل اور کثرت کے اس اصول میں چند صورتیں مستثنا بھی ہیں۔ مثلاً ایک شخص کے پاس کئی قسم کا مال موجود ہے جس پر زکوۃ واجب ہونی چاہیے۔ مگر یہ شک ہوا کہ کل کی زکوۃ واجب ہے یا بعض کی تو کل کی زکوۃ ادا کرنی واجب ہوگی۔ اسی طرح طلاق اور وفات کی عدت میں شک ہوا تو اکثر کا اعتبار ہوگا' جسکی مدت زیادہ ہوگی وہ گزارنی پڑے گی (۵۱)۔

بعض معاملات میں ''عدم اصل ہے'' اور بعض میں ''اصل وجود ہے'' اول الذکر کی مثال یہ ہے' دو شرکاء کے درمیان نفع یا نفع کی مقدار میں اختلاف ہوا تو اس شخص کی بات کو ترجیح ہوگی جس نے نفع نہ ملنے یا کم ملنے کا اقرار کیا ہے۔ کیونکہ اصل عدم ہے' البتہ اگر فریق مخالف کے پاس قوی ثبوت ہے تو اس کے قول کا اعتبار ہوگا (۵۲)۔ اور موخر الذکر کی مثال یہ ''کسی جانور کو جوان سمجھ کر خریدا پھر بیچنے والے اور خریدنے والے میں اختلاف ہوا تو بیچنے والے کا قول معتبر

ہوگا۔ کیونکہ جوانی صفات اصلیہ میں سے ہے لیکن اگر صریح دلیل سے اس کے خلاف ثابت ہوجائے تو خریدنے والے کی بات کا اعتبار ہوگا (۵۳)۔ جامع الصحیح بخاری کی روایت ہے کہ حلال کا حکم ظاہر ہے اور حرام کا حکم ظاہر ہے ان دونوں کے درمیان کچھ امور ایسے ہیں جو مشتبہ ہیں''۔ اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ کچھ امور ایسے ہوسکتے ہیں جن کے بارے میں شریعت نے وضاحت نہیں کی ہے۔ ان امور کے بارے میں فقہا نے ایک کلیہ کا ذکر کیا ہے۔

''اشیاء میں اصل اباحت ہے'' جن امور کے بارے میں حلال وحرام کی تصریح موجود ہے ان میں اشتباہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا' البتہ جن کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ موجود نہ ہو اور قوی دلیل کی بنا پر کسی ایک سمت کو ترجیح حاصل نہ ہوسکا اسی صورت میں مذکورہ اصول سے کام لیکر اس کی اباحت کا حکم دینگے۔ اس اصول کے استعمال میں بڑی دقیقہ رسی اور وسعت معلومات کی ضرورت ہوتی ہے حتیٰ کہ بعض فقہا سے یہ قول منقول ہے کہ ''اشیاء میں اصل حرمت ہے'' بہرحال جن چیزوں سے عقل نہ روکے وہ سب مباح ہیں البتہ جن کی حرمت پر دلیل قائم ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہیں (۵۴)۔

اشیاء میں اصل اباحت ہو یا حرمت ''عورت کے بارے میں اصلی حرمت ہے'' حلت محض ضرورت کی بنا پر ہے' اس لئے ضرورت ہی کے لحاظ سے اس میں وسعت وتنگی ہے۔ انسان کی نفسیاتی' معاشی اور سماجی زندگی کبھی وسعت سے کام لینے پر مجبور کرتی ہے اور کبھی اس اس کو ضرورت نہیں ہوتی۔ اس بنا پر شریعت نے اصل حرمت کا لحاظ رکھتے ہوئے ضرورت رفع کرنے کے لئے نکاح کی اجازت دی ہے اور عدل کی شرط کے ساتھ چار تک کی گنجائش رکھی ہے اور اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو اِک ہی پر اکتفا کرنے کی ہدایت ہے۔ مثلاً عورت کے معاملہ میں حلت اور حرمت میں اختلاف کی صورت پیدا ہو' اور کسی کی دلیل سے ایک جانب کو ترجیح نہ ہوسکتی ہو تو حرمت کا غلبہ ہوگا۔ فقہا کے نزدیک عورت کے معاملہ میں اصل حرمت ہے' لیکن حلت کے ثبوت میں وہ ایک گواہ کو کافی قرار دیتے ہیں (۵۵)۔

مولانا تقی امینی نے طبرانی سے ایک حدیث نقل فرمائی ہے ''مقررہ سزاؤں اور قتل سے جہاں تک ہوسکے اللہ کے بندوں کو بچاؤ'' (۵۶)۔ اسی طرح ترمذی ''کتاب الحدود'' سے حوالہ سے لکھا ہے۔ ''جہاں تک ہوسکے مسلمانوں کو مقررہ سزاؤں سے بچاؤ اگر گنجائش نکل سکتی ہو۔ اس لئے کہ حاکم کا معافی میں غلطی کرکے اللہ کے دربار میں حاضر ہونا سزا میں غلطی کرکے حاضر ہونے سے کہیں بہتر ہے۔ (۵۷) لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ ان حدیثوں کا اطلاق صرف اس وقت ہی ممکن ہوسکتا ہے۔ جب جرم کے ثبوت میں شبہہ موجود ہو۔ پھر حدود شریعت بھی ایک اصطلاحی لفظ ہے جو ان سزاؤں کے لئے مخصوص ہے جن کی مقدار شارع نے خود مقرر کردی ہے۔

''حدود شبہات سے ساقط ہوجاتے ہیں'': اس بناء پر ان کے ثبوت کے لئے شریعت نے ایسا اونچا معیار مقرر کیا ہے جو یقین کا فائدہ دے سکے۔ چنانچہ عورتوں کی شہادت اس معاملہ میں قابل قبول نہیں ہے۔ ایک حاکم کی تحریر دوسرے کے لئے حجت نہیں۔ گواہی در گواہی کی صورت میں جائز نہیں۔ غرض شریعت نے شبہ کا جو معیار مقرر کیا ہے ثبوت کے

ہوگی اور قتل کی وجہ دیت خون کی قیمت دینی پڑے گی۔اب بظاہر اس مسئلہ کا تعلق محولہ بالا کلیہ سے ہے کہ "ایک جنس میں دو معاملات" لیکن غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس مسئلہ میں جرم کی نوعیت ایک نہیں ہے بلکہ دو ہیں، یعنی بدکاری اور قتل ۔اسی لئے حدود اور دیت کی سزا دی جائے گی (۶۳)۔

مختصر یہ کہ ایک فقیہ اور مجتہد مسئلہ کی نوعیت، حقیقت، اسباب وعلل پر غور وخوض کر کے کسی ایک کلیہ کی بنیاد پر اجتہاد کرے گا۔جس کی بنیاد پر یہ کہا جاتا ہے کہ "قواعد کلیہ" میں اجتہاد کی ضرورت نہیں ہے لیکن فروعی مسائل میں اجتہاد کے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ چند اور کلیات اور انکے تحت جزئیات بیان کی جاتی ہیں، جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ "قواعد کلیہ" میں اجتہاد کی ضرورت نہیں جبکہ فروعی مسائل میں اجتہاد کے بغیر اسلام کا دوام اور ہمہ گیریت ممکن نہیں ہے جس چیز کا لینا حرام ہے اسکا دینا بھی حرام ہے: جیسے سود، کہانت کی اجرت اور رشوت وغیرہ۔لیکن چند صورتیں اس کلیہ سے مستثنیٰ بھی ہیں مثلاً اگر فاقہ کی نوبت ہو اور سودی قرضہ لینے کے علاوہ کوئی اور صورت نہ ہو تو بقدر ضرورت سود پر قرض لینا جائز ہے اگر جان ومال کے تلف کا قوی اندیشہ ہو تو رشوت دیکر جان ومال بچالینا جائز ہے۔اسی طرح ایک اور اصول ہے۔"جس فعل کا کرنا حرام ہے اسکا دوسرے سے مطالبہ بھی حرام ہے" لیکن بعض صورتیں اس کے ذیل میں نہیں آتیں۔جزیہ کی مثال جس کا مطالبہ غیر مسلم سے جائز ہے حالانکہ مسلم ہونے کی وجہ سے خود نہیں ادا کرتا (۶۴)۔

محمد تقی امینی نے اپنی کتاب میں پورے سو اصول وکلیات بیان کئے ہیں ان میں سے کچھ کی تفصیل ڈاکٹر صبحی محمعانی نے بھی بیان کی ہے۔اس تفصیل کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اگرچہ اصول وکلیات میں اجتہاد کی ضرورت نہیں رہی ہے، لیکن تمدنی ضروریات اور سائنسی ایجادات کے پیش نظر اگر ایسے حالات پیدا ہوجائیں کہ مسئلہ درپیش ان جملہ اصول وقواعد کے ذیل میں زیر غور نہ لایا جاسکتا ہو تو فقہ اسلامی کے بنیادی اصول عدم حرج، قلت تکلیف (۶۵) وغیرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے بوقت ایسا کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔لیکن عام طور پر یہ کہنا ہی مناسب ہوگا کہ فقہانے اب تک جو "قواعد وکلیات" قائم کئے ہیں ان سے بیشتر مسائل کا استنباط کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ فقیہ ان کے استعمال میں علمی بصیرت اور فنی مہارت رکھتا ہو۔مولانا امینی نے اس بارے میں دو باتوں کا اہتمام ضرور قرار دیا ہے "موقع ومحل کی مناسبت کو فقہانے کن مواقع پر کس طرح انہیں استعمال کیا ہے دوسرے یہ کہ بحیثیت اصول و کلیات کا علم ایسا نہ ہو کہ ایک اصول سے مسئلہ کا استدلال کیا جائے خواہ دوسرے کی خلاف ورزی لازم آئے" (۶۶)۔

حاصل بحث: اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے جو نظام زندگی متعین کیا ہے اس کا نام دین اسلام ہے۔ان الدین عند الله الاسلام" (۶۷) مزید صراحت فرمائی کہ اس دین کے علاوہ اور کوئی دین قابل قبول نہیں ہے۔ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه (۶۸)۔اس دین کی ایک بہت بڑی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ کامل ترین دین ہے۔الیوم اکملت لکم دینکم (۶۹) ان آیات کا منشاء یہ ہے کہ اسلام کامل ترین دین

لئے اس کی پابندی خود دی ہے۔ [۵۸]

''قصاص'' جان کے بدلہ جان کا معاملہ ہے۔ وہ بھی حدود جیسا ہے۔ فقہا کہتے ہیں کہ قصاص بھی شبہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ قصاص بھی حدود کی مثل ہے جس طرح وہ شبہہ سے ختم ہو جاتا ہے اسی طرح یہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اس کا ثبوت بھی اس طرح ہوتا ہے جس طرح حدود کا ہوتا ہے۔ مثلاً کسی شخص کو سوتے میں قتل کر دیا گیا اور قاتل نے کہا کہ مردہ ہونے کی حالت میں ذبح کیا ہے تو قصاص نہ ہوگا بلکہ ''دیت'' خون کی قیمت ورثاء کو دینی پڑے گی۔ قصاص کا حکم سننے کے بعد قاتل پاگل ہو گیا تو اس کو قتل نہ کیا جائے گا بلکہ خون کی قیمت ہی دینی ہوگی۔ یا کسی نے کسی سے کہا کہ مجھے قتل کر دے اور اس نے قتل کر دیا تو اس صورت میں بھی قصاص واجب نہ ہوگا لیکن قاتل مجرم قرار پائے گا [۵۹]۔

یہاں یہ امر لائق توجہ ہے کہ فقہا نے بعض جگہ قصاص کو حدود کی طرح تسلیم نہیں کیا مولانا نے ایسے سات مقامات کا ذکر کیا ہے۔ جو قصاص اور حدود کے فرق کو واضح کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں' مولانا لکھتے ہیں۔ قصاص گونگے کے اشارہ یا لکھ دینے سے ثابت ہو جاتا ہے' حدود اس طرح ثابت نہیں ہوتے۔ حدود میں کسی قسم کی سفارش قبول نہیں ہوتی یعنی حدود معاف نہیں کی جا سکتی بلکہ ثبوت کے بعد حدود کا اجراء ضروری ہوگا۔ لیکن قصاص میں اگر ورثاء مقتول قاتل کو معاف کر دیں تو یہ معافی درست ہوگی۔ [۶۰]

قانون کی اصطلاحات اور ادب میں حدود کے ساتھ ساتھ ایک اور لفظ تعزیر بھی آتا ہے اس سے مراد وہ سزائیں ہیں جو نظم و نسق قائم رکھنے کے لئے سیاسۃً دی جاتی ہیں یا اخلاق و کردار درست کرنے کے لئے اصلاحاً دی جاتی ہیں۔ ان کی مقدار حدود سے کم ہوتی ہے۔ یہ سزائیں شبہ سے ساقط نہیں ہوتیں بلکہ

<u>التعزیر یثبت مع الشبهة:</u> تعزیر شبہہ کے ساتھ ثابت ہو جاتی ہے۔ فقہاء نے ان کے لئے یہ اصول مقرر کئے ہیں ''جن طریقوں سے مال کا ثبوت ہوتا ہے۔ ان ہی طریقوں سے تعزیر کا ثبوت بھی ہوگا۔ البتہ رمضان کے روزوں کا کفارہ اس اصول سے مستثنیٰ ہے کہ وہ شبہ کی بنا پر ساقط ہو جاتا ہے۔ جس طرح نسیان اور خطا سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے [۶۱]۔ ''جب ایک جنس کے دو معاملوں کا مقصود ایک ہو تو ایک دوسرے میں داخل ہو جائے گا''

فقہاء نے اس اصول کی بنیاد پر متعدد اجتہادات کئے ہیں۔ مثلاً غسل کو واجب کرنے والی دو چیزیں پائی جائیں تو ایک غسل کافی ہوگا' نماز میں کئی مرتبہ سہو ہو گیا جس سے سجدہ سہو لازم آتا ہے تو ایک مرتبہ سجدہ سہو کر لینا کافی ہوگا۔ اسی طرح کسی نے ایک ہی حرام کا کئی مرتبہ ارتکاب کیا ہو تو ایک حد سب کے لئے کافی ہوگی۔ لیکن اگر حدود جاری ہونے کے بعد دوبارہ پھر اسی جرم کا ارتکاب کیا تو دوبارہ حد جاری ہوگی [۶۲]۔

<u>فروعی مسائل میں اجتہاد ناگزیر ہے:</u> اس ضمن میں اصل بات یہ ہے کہ مسئلہ زیر بحث میں علت کا معلوم کرنا اور بنیادی قواعد کلیہ سے اس کا تعلق معلوم کرنا۔ مثلاً کسی عورت کے پاس گیا اور پھر اس کو قتل کر دیا تو بدکاری کی حد جاری

ہے اور قیامت تک انسانوں کے مسائل خواہ ان کا تعلق سیاست سے ہو' معاشرت سے ہو' معیشت سے ہو' اخلاقیات یا زندگی کے کسی بھی شعبے سے ہو' ان تمام مسائل کو اسلام کے مطابق حل کیا جائے گا۔ بے دین قوموں کیلئے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ مسئلہ امت مسلمہ کیلئے ہے وہ نت نئے مسائل دینِ اسلام کی روشنی میں کیسے حل کرے یہ امر ہر دور میں امت کی فکر کا ایک ناگزیر مسئلہ رہا ہے' اور رہے گا۔ چنانچہ مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری نے لکھا۔

''زمانہ ہمیشہ آگے بڑھتا جائے گا اور پھر ہر دور میں نئے نئے مسائل زندگی پیدا ہوتے جائیں گے۔ جو قوم ان مسائل کو اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق حل نہیں کرے گی وہ زمانے کی دوڑ میں پیچھے رہ جائے گی۔ صحیح معنوں میں زندہ قوم وہی ہوگی جو ''مجتہد'' ہو' اس کا مطلب یہ ہے کہ قوم اپنے دور کے نت نئے مسائل کو سمجھے اور عصری تقاضوں کے مطابق ان کو حل کرے (۷۰)۔

فقہاء نے جو ''اصول وکلیات'' کی تشکیل وتدوین اور انکے تحت جس قدر مسائل کا استنباط کیا ہے اسلام کی اسی ضرورت کے پیش نظر کیا ہے۔ اب پیش آمدہ مسئلہ کو انہیں اصول وقواعد کے پس منظر میں دیکھ کر اسکا حل تجویز کیا جائے گا۔ اسلئے یہ کہنا بجا ہے کہ قواعد کلیہ مین تو اجتہاد کی ضرورت باقی نہیں رہی لیکن فروعات میں اجتہاد کے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔

کتابیات

قرآن مجید۔

اسمٰعیل سلفی' مولانا محمد' تحریک آزادی فکر اور شاہ ولی اللہ کی تحدیدی مساعی' مکتبہ نذیریہ چیچہ وطنی' جون ۱۹۶۹ء

اشرف علی تھانوی' مولانا　الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد' ادارہ اسلامیات' لاہور' اشاعت اول ۱۹۸۵ء

اشرف علی تھانوی' مولانا　التکشف عن مھمات التصوف' سجاد پبلشرز ' لاہور

اشرف علی تھانوی' مولانا　الافاضات الیومیہ' اشرف المطابع' تھانہ بھون' حصہ اول' سن ندارد

اشرف علی تھانوی' مولانا　انفاس عیسی' اشرفیہ کتب خانہ دہلی' سن ندارد

رحیم بخش' مولانا حافظ　''حیات ولی'' مکتبہ السلفیہ لاہور ۱۵ / مارچ ۱۹۵۵ء

راغب اصفہانی' امام　مفردات القرآن' شمس الحق' لاہور' سن ندارد' حصہ اول

رفیع عثمانی' مفتی مولانا　''عصر حاضر کے تقاضے اور اجتہاد کی ضرورت'' ترجمان القرآن' لاہور

تنزیل الرحمان' ڈاکٹر　Ijtihad" doors is open" ماہنامہ العلوریہ' کراچی جون ۱۹۹۹ء

تقی امینی' مولانا　فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر' قدیمی کتب خانہ آرام باغ' کراچی' ستمبر ۱۹۹۱ء

جعفر پھلواری' مولانا شاہ　''اجتہادی مسائل'' ادارہ ثقافت اسلامیہ' لاہور' طبع دوم ۱۹۸۳ء

جمیل احمد تھانوی' مولانا مفتی' عصری' علامہ محمد　''اسلام میں اجتہاد'' سہ ماہی منہاج غیر لاہور کا اجتہاد نمبر ۳ ۱۹۸۳ء

سرور، پروفیسر محمد	ارمغان شاہ ولی اللہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، طبع دوم ۱۹۸۰
شاہ ولی اللہ	عبدالجید بحوالہ ارمغان شاہ ولی اللہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، طبع دوم ۱۹۸۸
شاہ ولی اللہ	حجۃ اللہ البالغہ، نور محمد اصح المطابع، آرام باغ، کراچی، سن ندارد، حصہ اول
شاہ ولی اللہ	فیوض الحرمین، مدنی کتب خانہ، لاہور، بار اول، سن ندارد
شبلی نعمانی، مولانا	علم الکلام، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع سوم، نوم ۱۹۷۹ء
صبحی محمصانی، پروفیسر	فلسفہ شریعت اسلام، ترجمہ محمد احمد اصغری، مجلس ترقی ادب، لاہور، جون ۱۹۸۱
طیب، قاری محمد	مسلک علمائے دیوبند، دارالاشاعت، کراچی ۱۹۹۴ء
ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر	مجتہد اوصاف و شرائط، شمولہ سہ ماہی منہاج لاہور کا اجتہاد نمبر ۱۹۸۳ء
کاندھلوی، مولانا محمد علی	امام اعظم اور علم الحدیث، انجمن دارالعلوم شہابیہ، سیالکوٹ، اپریل ۱۹۸۱ء
لوئیس معلوف	المنجد، دارالاشاعت کراچی

حواشی

۱۔ مولانا محمد امینی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی ستمبر ۱۹۹۱ء صفحہ ۲۳۸

۲۔ ایضاً صفحہ ۲۲۶۔　　۳۔ ایضاً صفحہ ۳۰۴۔

۴۔ ایضاً صفحہ ۳۰۸۔　　۵۔ ایضاً صفحہ ۳۱۲۔

۶۔ فقہ اسلامی کا تاریخی منظر، ص ۲۳۸

۷۔ علامہ محمد خضری، ''تاریخ فقہ اسلامی'' مترجمہ مولانا عبدالسلام ندوی، اسلامی اکادمی، لاہور، سن ندارد

۸۔ ڈاکٹر صبحی محمصانی، ''فلسفہ شریعت اسلام''، مترجم محمد احمد رضوی، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع ششم جون ۱۹۸۱ء ص ۳۳۶

۹۔ ایضاً ص ۳۳۱

۱۰۔ المنجد، ''(حریت) لوئیس۔ اور تہذیب، مفتی محمد شفیع۔ دارالاشاعت، کراچی، ۲۳ ستمبر ۱۹۷۴ء ص ۱۴۱

۱۱۔ فلسفہ شریعت اسلام، ص ۳۳۱　　۱۲۔ فلسفہ شریعت اسلام، ص ۳۳۳۔

۱۳۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر۔ ص ۲۳۹　　۱۴۔ فلسفہ شریعت اسلام، ص ۳۴۴

۱۵۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۲۴۲　　۱۶۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۱۸۵

۱۷۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۲۸۶　　۱۸۔ سورۃ النساء، آیت ۲۸

۱۹۔ فلسفہ شریعت اسلام، ص ۳۴۳، یہ حکم سورۃ بقرہ کی آیت ۲۸۰ سے ماخوذ ہے۔

۲۰۔ اس سے مراد ترکی کا ضابطہ دیوانی ہے، یہ ''مجلہ احکام عدلیہ'' کا مخفف ہے، اس کی تکمیل و تدوین ۱۸۶۹ء۔ ۱۸۷۲ء کے درمیان کی ہے۔ اس مجلہ کو سات آدمیوں پر مشتمل ایک مجلس نے مرتب کیا جس کا صدر ''احمد جودت پاشاہ'' تھا، یہ مجلہ حنفی مذہب کے مطابق فقہ کے

اس حصے کا ضابطہ ہے جو معاملات سے متعلق ہے۔ مجلّہ کے مقدمہ میں ایک سو دفعات تو ایسی ہیں جو اصول وقواعد سے متعلق ہیں۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب، لاہور، طبع اول ۱۹۸۵ء جلد ۱۸، ص ۵۸۵۔۵۸۶) ۲۱۔ فلسفہ شریعت اسلام ص ۳۴۴

۲۲۔ یہ مجلّہ کی دفعہ ۳۲ ہے جس کو پروفیسر صبحی محمصانی نے اپنی کتاب ''فلسفہ شریعت اسلام'' کے ص ۳۱۴ پر لکھا ہے۔

۲۳۔ مثلاً کمسنی، دیوانگی، مرض، جبر، بھول، اور ناواقفیت جیسے مواقع (فقہ اسلامی کا پس منظر، ص ۲۴۲)

۲۴۔ دیکھئے فلسفہ شریعت اسلام، ص ۳۴۴ تا ۳۴۶ ۲۵۔ سورۃ الحج آیت ۷۸۔

۲۶۔ سورۃ المائدۃ، آیت ۶ ۲۷۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۲۴۶

۲۸۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۲۵۱ ۲۹۔ فلسفہ شریعت اسلام، ص ۳۴۹

۳۰۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر۔ ص ۲۶۳ ۳۱۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر۔ ص ۲۶۵

۳۲۔ فلسفہ شریعت، اسلام، ص ۳۵۰ ۳۳۔ ایضاً ص ۳۵۱ نیز ملاحظہ ہو فقہ اسلامی کا پس منظر، ص ۲۶۶

۳۴۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۲۶۶ ۳۵۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۲۶۶

۳۶۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۲۶۷ ۳۷۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۲۶۷

۳۸۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۲۶۷ ۳۹۔ ایضاً

۴۰۔ ایضاً ۴۱۔ ایضاً ص ۲۶۸

۴۲۔ صحیح بخاری کی پہلی حدیث ہے، مفصل اور تحقیقی شرح کے لئے ملاحظہ ہو علامہ شبیر احمد عثمانی کی فضل الباری (شرح) صحیح بخاری، ادارہ علوم شرعیہ، کراچی، ایڈیشن نومبر ۱۹۷۳ء ص۔ ۱۳۶

۴۳۔ فلسفہ شریعت اسلام۔ ص۔ ۳۵۶

۴۴۔ مفصل بحث اور مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۲۸۷، ۲۸۸

۴۵۔ ایضاً ۴۶۔ ایضاً ص۔ ۸۸ ۴۷۔ ایضاً ۴۸۔ ایضاً ص ۲۸۹ ۴۹۔ ایضاً

۵۰۔ ایضاً ص ۲۹۰ ۵۱۔ ایضاً ص ۲۹۱ ۵۲۔ ایضاً ۵۳۔ ایضاً ۲۹۲

۵۴۔ ایضاً ص ۲۹۳ ۵۵۔ ایضاً ص ۲۹۴ ۵۶۔ ایضاً ص ۲۹۵ ۵۷۔ ایضاً

۵۸۔ ایضاً ص ۲۹۷ ۵۹۔ ایضاً ص ۲۹۷، ۲۹۸ ۶۰۔ ایضاً ۲۹۸ ۶۱۔ ایضاً ص ۲۹۹

۶۲۔ ایضاً ۶۳۔ ایضاً ص ۳۰ ۶۴۔ ایضاً ص ۳۰۱

۶۵۔ تاریخ فقہ اسلامی، ص ۱۷ ۶۶۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر۔ ص ۳۷۱

۶۷۔ سوہ آل عمران، آیت ۲۹ ۶۸۔ سورۃ ال عمران، آیت ۸۵

۶۹۔ سورۃ المائدۃ، آیت ۲۳

۷۰۔ مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری، اجتہادی مسائل، ادارۃ ثقافت اسلامیہ، لاہور، طبع دوم ۱۹۸۳ء ص ۱۸

پروفیسر رشید احمد انگوی
ڈائریکٹر الخلیل ریسرچ سنٹر

جامعہ حفصہ ۔ خدمات کو نظر انداز نہ کیجیے

افسوس کہ ایک بڑے دینی مدرسہ کے بارے میں انصاف سے ہٹی ہوئی باتیں عام کر دی گئی ہیں۔ دوسرے رخ سے بھی بات ہونی چاہیے۔ جامعہ حفصہ کی تعلیمی تاریخ کے کئی ایمان افروز پہلو ہیں۔ سالہا سال سے ہزاروں طالبات کو قرآن وسنت کی روشنی پہنچانے والے ادارے کی خدمات کی ہم نفی نہیں کر سکتے۔ کوئی شک نہیں کہ ہزاروں خاندانوں کا اعتماد حاصل کر کے اسلامی تہذیب وتمدن کا درس دینا ایک ایسی خدمت ہے جس کا اندازہ بش بلیئر کی مہیا کردہ عینک سے کیا ہی نہیں جا سکتا۔ رہی بات فوجی تربیت کی خرابی کی تو حکومت پاکستان کی اہم پالیسی کے تحت تقریباً 20 سال تک لڑکوں اور لڑکیوں کے گورنمنٹ کالجوں میں این سی سی کی ٹریننگ دی جاتی رہی ہے اور اس پر اعلیٰ اداروں میں داخلہ لینے کے لیے بیس نمبر ملتے تھے۔ ظاہر ہے طلبہ / طالبات کو فوجی ٹریننگ دینا کفر نہیں اور خود محکمہ تعلیم اور افواج پاکستان نے ایسا کر کے اچھا نمونہ پیش کیا۔ اس دور میں کالجوں میں سینکڑوں گنوں اور گولیوں کا ذخیرہ ہوتا۔ سکھانے والے لوگ ہوتے۔ نشانہ بازی کے مقابلے ہوتے، روزانہ ٹریننگ ہوتی۔ کالجوں میں ہونے والی اس سب کچھ سرگرمی میں کوئی خرابی نہ تھی۔ حفصہ والے 21 ویں صدی میں رہتے ہیں اور جانتے ہیں کہ دشمنانِ اسلام مدارس کو کس نگاہ غلط انداز سے دیکھنے کے عادی ہیں۔ کیا اسرائیل میں طلبہ طالبات کو فوجی ٹریننگ نہیں ملتی۔ کیا دنیا کے بیسیوں ممالک میں کالجوں میں شہری دفاع وغیرہ کی تعلیم نہیں دی جاتی۔ کیا بش بلیئر کے احکام پر اسلامی مدارس کے بارے میں کیے جانے والے اقدامات سے آنکھیں بند رکھی جا سکتی ہیں۔...... جامعہ حفصہ والوں نے اپنی ذہنی سوچ کے مطابق تعلیم کے ساتھ ساتھ، قریبی معاشرے میں اصلاح کے عمل کا ایک ماڈل پیش کیا جس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ معاشرتی بگاڑ میں ڈوبے ہوئے ماحول میں یہ سلسلہ عجیب سالگا۔ ان کے قابل اعتراض طرز عمل کو باہم مباحثوں / مذاکروں / سیمیناروں / ٹی وی گفتگوؤں سے تبدیل کیا جا سکتا تھا۔ صرف ہمارے محسن عظیم دوست چین کا حوالہ غیر معمولی نوعیت کا ہے مگر مساج والے لوگ کوئی سفارتی عملہ کے لوگ نہ تھے۔ تاہم اس مسئلہ کو مقامی حکومت اور اسلام آباد کے نمائندگان پارلیمنٹ کے ذریعے بہت ہی آسانی سے مکمل طور پر حل اور ختم کیا جا سکتا تھا۔ اور حفصہ والوں کو آیندہ کے لیے محتاط رہنے کی وارننگ دی جا سکتی تھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ " آج انسانوں کی تجارت یا خرید وفروخت " کا ایک باب سرعام کھلا ہوا ہے، گوانتاناموکی کہانی اکیسویں صدی کا شرمناک ترین اور ذلت آمیز باب ہے۔ " غیرت مند مسلمانوں کے زندہ یا مردہ وجود " ایسے تاجروں کے ہاں اسطرح قیمتی ہیں جسطرح ایٹمی لیبارٹری میں تجربات کیلئے یورینیم کی خرید وفروخت۔

مسلمانوں کو یہ اجازت نہیں دی جاتی کہ اپنا دفاع کریں لیکن غیرت مند مسلمانوں کی خرید وفروخت کی یہ تجارت زوروں پر ہے مغربی سامراج کی جانب سے طلب ہے کہ اپنے معاشروں کے پاکیزہ ترین، اور زندہ و بیدار مغز غیرت مند انسان انکے سپرد کر کے منہ مانگے دام وصول کیے جائیں۔ اس عالمی قزاقی و بدمعاشی نے کتنے ہی مسلمان معاشروں ہیجان پیدا کر رکھا ہے۔ مذکورہ تاجروں کو ہمارے قبائلی آزاد طبع مسلمان نوجوانوں کا گوشت وخون بہت مرغوب ہے کہ یہ روئے زمین کے غیرت مند ترین مسلمان ہیں۔ انکو زنجیریں پہنا کر سامراج نشے میں مست ہو جاتا ہے۔ عبدالسلام ضعیف کی آپ بیتی پڑھ لیجیے۔ سب کچھ واضح ہو جائیگا۔

پاکستان کے عوام وخواص اس سامراجی تجارت سے آگاہ ہیں اور بڑوں بڑوں سے زیادہ زیرک ہیں۔ ایک لمحے میں انکی نگاہیں پینٹا گون کی پالیسیوں کی باریکیوں تک پہنچ جاتی ہیں۔ ٹی وی چینلوں پر چلنے والے جملے سن لیجیے، پڑھ لیجئے، کوئی بھی کڑیاں اپنوں سے نہیں جوڑتا، اتفاق کامل ہے کہ ''یہ سب کچھ امریکہ کو خوش کرنے کیلئے کیا گیا''۔ حال ہی میں بے نظیر بھٹو نے تسلسل کیساتھ مدرسہ حفصہ کے خلاف جو گفتگو کی ہے وہ ہمارے نقطہ نظر کو تقویت پہنچاتی ہے۔ ایک برقعہ پوش خاتون راہنما نے آنسوؤں کی زبان میں ٹی وی چینل کی گفتگو میں کہا کہ ہمارا خون گلدستے میں سجا کر امریکہ کو نذرانہ پیش کیا گیا ہے۔ اور سچ مچ بعض امریکی حکام نے اس کے عین مطابق صدارتی مسئلے پر بیان داغا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ اس خون ریزی پر امریکیوں سے خوشیاں سنبھالی نہیں جا رہی ہیں۔ جس روز برطانیہ سے مبارکباد کا پیغام آیا دوپہر کو ایک تھڑے پر بیٹھے لوگوں میں شرط لگی ہوئی تھی کہ آج شام تک عالمی کفار ٹولے کی مبارکباد نہ آئی تو میرا نام بدل دینا اور سچ مچ شام کو برطانیہ اور اگلے دنوں آئے روز امریکہ سے مبارکباد کے ڈھیر اس طرح برس رہے تھے جسطرح چیف جسٹس صاحب کی گاڑی پر پھولوں کی پتیاں برستی ہیں۔ ایک بات ہمارے پڑھے لکھوں بلکہ دانش وروں تک کو بھول چکی ہے کہ مغربی سامراج کی نگاہ میں پورے روئے زمین پر دشمن نمبر ایک ''دینی مدرسے'' اور انکو چلانے والے ''مولوی'' ہیں اور یہ آج کی نہیں ڈیڑھ سو سال پہلے اٹھارہ سو ستاون کا قصہ ہے جو آجتک جاری ہے۔ فرنگی نے برصغیر کو تاراج کیا مگر علمائے حق اور غیور افغان قبائل کو زیر نہ کر سکا، اسوقت سے آجتک ان سے اسکی جنگ جاری ہے اور اس جنگ کی تعلیمی، تدریسی نظریاتی و دفاعی امامت وقیادت، ملاں کے پاس ہے۔ اور بہت اہم بات یہ ہے کہ امت مسلمہ کی ''تعلیمی مین سٹریم'' وہ نہیں جو مغربی نظام تعلیم کے نام سے مسلط کی گئی ہے بلکہ اصل مین سٹریم یہی مولوی کا نظام تعلیم ہے۔ علامہ اقبال نے افغان حوالے سے ''مُلّا کو کوہ و دمن سے نکال دو'' والا طنز فرنگیوں کیخلاف کیا تھا جسکا مطلب یہ تھا کہ جب تک ''مُلّا'' کی قیادت قائم رہے گی فرنگی ہمیں شکست نہیں دے سکتا اور یہ سبق آج کے سامراج کے ذہن میں بھی نقش ہے۔ جسے ایم ایم اے کا وجود بالکل اچھا نہیں لگتا علامہ اقبال کا مشہور تصور ہے کہ برصغیر میں اسلام کی حفاظت افغان کرے گا اور آج پیشین گوئی پوری ہو رہی ہے۔ سرحد، بلوچستان میں ایم ایم اے کی طاقت مغرب پرستوں کو ایک

آنکھ نہیں بھاتی۔اور جامعہ حفصہ کی طالبات کی ایک بڑی تعداد قبائل غیور مسلمان گھرانوں سے تعلق رکھتی ہے۔یہ بات کیا کم اہم ہے کہ جب مغرب کے زیر تسلط سرکاری مشینری نے ساٹھ سال میں مسلمان بیٹیوں کو حجاب اور دوپٹے سے لاتعلق کر دیا اور آج امریکی برطانوی تعلیمی سسٹمز سے ملحق ادارے مغربی تہذیب پھیلا رہے ہیں۔مگر ایسے میں جامعہ حفصہ نے ہزارہا بیٹیوں کو اسلامی معاشرت کا شیدائی بنایا۔ یہ بہت بڑا تہذیبی کارنامہ ہے مگر اسے مغرب پرستی کی انتہاؤں میں لینے والے سمجھنے سے عاجز ہیں۔جامعہ والوں کی کسی معاملہ میں تدبیر کی غلطی اپنی جگہ،مگر ان کی خدمات بھی دیکھی جائیں۔...... اہل جامعہ حفصہ میں خرابی کے پہلو سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا۔وفاق المدارس جو علمائے حق کا سب سے مضبوط اور وسیع الاثر پلیٹ فارم ہے اس نے اپنے وفاق کا ممبر ہوتے ہوئے بھی جامعہ حفصہ والوں کے طرز عمل سے اختلاف کیا (مقاصد سے نہیں) اسی طرح اسلامی قوتوں کے نمائندہ فورم ایم ایم اے نے اپنا اختلاف قائم رکھا۔مگر اس سب کچھ کے باوجود معصوموں کا خون حلال نہیں ہو سکتا۔انسانی ضمیر اور کامن سینس ان حالات کی سچائی کو تسلیم نہیں کرتے۔آخر کیا وجہ ہے کہ حفصہ کی خبروں کو " قانون دانوں کی تحریک " کے پس منظر کا حصہ سمجھتا ہے کوئی شخص تجزیہ مکمل نہیں کرتا جب تک امریکہ اے پی سی اور سپریم کورٹ کے نام زبان پر نہ لائے۔کہنے والے مشہور مصرعہ دہرا رہے ہیں کہ "اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد" تو اس مصرعہ کے "ہر" کو وہ آج کے حالات سے جوڑتے ہیں۔صحیح ہے یا غلط ہم نہیں جانتے۔ٹی وی مذاکرات میں ایک صاحب نے "شامِ غریباں" کا عنوان دیا۔ایک مقرر نے برصغیر کی آزادی کے مشہور و شرمناک واقعہ جلیانوالہ اور جنرل ڈائر کو سانحہ اسلام آباد کے ساتھ مربوط کیا۔ہم اچھا کہیں یا برا" جامعہ حفصہ اور لال مسجد" کے عنوان سے تاریخ جدید کا ایک خونی سیاہ باب رقم ہو چکا ہے۔لوگ کہتے ہیں کہ حکومتی رٹ قائم کرنے والوں کا،عوام کی منتخب حکومت کی رٹ تسلیم کرنے کے حوالہ سے اپنا ریکارڈ کیا ہے؟ نواب اکبر بگٹی نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہمیں قانون کا سبق پڑھانے والے قانون کو مانتے تو وہاں نہ بیٹھے ہوتے جہاں سے ہمیں احکام دے رہے ہیں۔اسلام آباد کا ذکر مطالعہ پاکستان اور تاریخ اسلام کے کئی صفحات یا کم از کم پیراگراف ضرور بنائے گا۔تاریخی اصولوں کا تقاضا ہے کہ مثبت و منفی دونوں پہلو دیکھے جائیں۔رٹ کا لفظ اکثر سننے میں آتا ہے مگر اس کا ایک جملے میں تجزیہ یہ بھی ہے کہ ملک میں سب سے بڑے قانون یا تمام قانونوں کی ماں "دستور" کی رٹ توڑنے والے،اور منتخب پارلیمنٹوں کو پاؤں تلے روندنے والے؛ اپنے دل میں جھانک کر "رٹ" کے حوالے سے اپنے ضمیر کی عدالت سے تو پوچھ لیں۔کاش کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ربع صدی کی ٹھوکروں کے بعد 1973ء میں بھٹو صاحب کی قیادت میں جو متفقہ دستور تیار ہوا،اس کی رٹ بھی قائم ہو جاتی،اور اس کی روشنی میں "دستور سوزی" کے مرتکب ہونے والوں کا بھی جامعہ حفصہ کی طرح "تورا بورا" ہو سکتا اور مجرموں میں زندہ اور مردہ مجرم سب کو شامل کیا جاتا۔

عظیم امریکہ کی عظیم روایت تورا بورا، ابوغریب، وغیرہ ایک سے ایک ملک کا سفر آگے جاری رکھے ہوئے

ہیں۔مگر ہم شاید اپنے منہ میں وہی کچھ بھرتے رہیں گے جو ہمارا دشمن آقا فرما دے اس پر لنا اللہ کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔ اسلحہ سٹور کرنے کی باتیں ہمارے علم سے بہت اونچی ہیں یہ متعلقہ ایجنسیوں کے غور و فکر کے مقامات ہیں۔مولانا عبدالعزیز ماشاء اللہ زندہ ہیں، قانون کے ہاتھوں میں ہیں، اپنے موقف کی وضاحت خود کر سکتے ہیں۔تاہم مدارس عربیہ کی حقیقت، ان کی سامراج کی نگاہ میں اہمیت مسلمانوں کے نظام تعلیم میں ان کا مقام و مرتبہ، ہر مسلمان کی دلچسپی اور غور و فکر کے مسائل ہیں اور امریکی صدر نے اربوں ڈالر مسلمان ملکوں میں ''مسجد و مدرسہ کی اصلاح (؟)'' کیلئے وقف کر رکھے ہیں۔انہوں نے کسی طرح اپنا اثر دکھانا ہی دکھانا ہے۔حکم ہوتا ہے نصابوں سے قرآن کی آیتیں نکال دو۔جہاد کی تعلیم چھوڑ دو۔تو کیا ہمارا دین ہمیں کفار سے سبق حاصل کرنے کی راہ دکھاتا ہے۔ہر گز نہیں۔

آج اسلامی سوچ کے حامل لوگ دکھی ہیں۔ہر انصاف پسند انسان دکھی ہے۔ایسے میں بے نظیر اور الطاف بھائی کے بیانات بہت تشویش ناک بھی ہیں اور غور و فکر کے متقاضی بھی۔ان کا گہرا تجزیہ کرتے وقت نظر گذشتہ عشروں کے تحرک معاشرہ کی جانب جاتی ہے۔جبکہ مصر، الجزائر، عراق، افغانستان تو ایک مستقل حوالہ گفتگو ہیں اور مسلمان ملکوں میں مسلح قوت سے سامراجی ایجنڈے کی تکمیل کا کام لینا اب کوئی ڈھکی چھپی یا اچنبھے کی بات نہیں رہی۔آخر میں ایک تجویز یہ ہے کہ "دہشت گرد" اور "انتہا پسند" دونوں اصطلاحیں ہمارے دشمن کی ایجاد کردہ ہیں اور سچے مسلمانوں کے لیے انہیں استعمال کیا جاتا ہے۔چنانچہ ملک میں ان دونوں اصطلاحات کے استعمال پر پابندی عائد کی جائے تا کہ معاشرہ ان کے شر سے بچ سکے۔ ع یہ خونِ خاک نشیناں تھا رزق خاک ہوا

بقیہ صفحہ ۵۲ سے (انسانی حقوق اسلامی تناظر میں)

دوسروں کی مدد کرنا دوسروں کیلئے نفع بخش بننا ہے اور نفع بخشی اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتی ہے'لوگوں کے درمیان نافع بننے والا لوگوں کے بیچ سردار کا درجہ پالیتا ہے:''سید القوم خادمہم'' اور اس سے بڑھ کر مزے کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی نصرت و یاری کیلئے تیار ہو جاتا ہے اور اس پر اپنے فضل و کرم کی بارش برسانے لگتا ہے اور اسکے دنیا و آخرت دونوں کے مسائل کو حل کر دیتا ہے۔رحمت دو عالم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:"عن أبی هریرة ؓ عن النبی ﷺ قال: من یسر علی معسر فی الدنیا یسر الله علیه فی الدینا والآخرة" (۸) 'حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم نے ارشاد فرمایا: جو شخص دنیا میں کسی تنگ حال کو آسانی دے گا' تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت میں آسانی فراہم کرے گا۔'' کمزوروں کی نصرت و مدد میں اپنے آپ کو مصروف رکھنا قابل قدر صفت ہے۔اس سے انسان قربت خداوندی کا مستحق ہو جاتا ہے جیسا کہ محسن انسانیت ﷺ کا ارشاد ہے:"الساعی علی الأرملة کالمجاهد فی سبیل الله و کالذی یقوم اللیل والنهار" (۹) 'بیوہ اور مسکین کیلئے دوڑ دھوپ کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کی مانند اور اس شخص کی طرح ہے جو دن بھر روزے رکھتا ہو اور رات بھر نمازیں پڑھتا ہو۔

(جاری ہے)

مولانا محمد جسیم الدین قاسمی سیتامڑھی

انسانی حقوق اسلامی تناظر میں

حرف اول: اصل موضوع کو زیر بحث لانے سے قبل یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہل مغرب کے تصور حقوق انسانی اور ان کے یہاں اس کے ارتقاء کی تاریخ کا مختصر جائزہ لیا جائے تاکہ یہ آشکارا ہو جائے کہ اسلام کا تصور حقوق انسانی جامع و ہمہ گیر ہے۔ یا اہل مغرب کا تصور حقوق انسانی جو صرف نعرے کی حد تک حقوق کے علم بردار اور تنہا حقوق انسانی کے محافظ و نگہبان ہونے کے دعویدار ہیں۔

مغرب میں حقوق انسانی کی تاریخ: اہل مغرب عام طور پر یورپ میں حقوقِ انسانی کی تاریخ کو پانچویں صدی قبل مسیح کے یونان سے جوڑتے ہیں اور اس ضمن میں ''افلاطون'' اور ''ارسطو'' کو اس تصور کا ماخذ و منبع سمجھتے ہیں۔ سید صباح الدین پاکستانی اپنی شہرہ آفاق کتاب ''بنیادی حقوق'' میں رقم طراز ہیں:

''بنیادی حقوق کی جدوجہد کا اصل آغاز گیارہویں صدی میں برطانیہ سے ہوا جہاں ۱۰۳۷ء میں کانریڈ ثانی (Conred II) نے ایک منشور جاری کر کے پارلیمنٹ کے اختیارات متعین کئے۔ اس منشور کے بعد پارلیمنٹ نے اپنے اختیارات میں توسیع کی کوششیں شروع کیں ۱۱۸۸ء میں الفانسو نہم (Alfons IX) سے قانون حبس بے جا تسلیم کرایا گیا۔ ۱۵ر جون ۱۲۱۵ء کو میگنا کارٹا (Magna Carta) جاری ہوا جسے ''منشور آزادی'' قرار دیا گیا' اس میں شک نہیں کہ Magna carta برطانیہ میں ''بنیادی حقوق'' کی اہم ترین اور تاریخ ساز دستاویز ہے' لیکن اس کا یہ مفہوم بہت بعد میں اخذ کیا گیا ہے۔ اس وقت اس کی حیثیت امراء (Baron) اور شاہ جان (king John) کے درمیان ایک معاہدہ کی سی تھی' جس میں امراء کے مفادات کا تحفظ کیا گیا تھا' عوام کے حقوق سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا'' ہنری مارش' (Henry Marsh) کہتا ہے کہ ''بڑے بڑے جاگیرداروں کے ایک منشور کے سوا اس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔

Henry Marsh "Documants of Liberty" David and charies new Town Abbot England (1971)p.51

۱۳۵۵ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے میگنا کارٹا کی توثیق کرتے ہوئے قانونی چارہ جوئی (Ue Process of Law) کا قانون منظور کیا' جس کے تحت کسی شخص کو عدالتی کارروائی کے بغیر زمین سے بے دخل یا قید نہیں کیا جا سکتا تھا اور نہ اسے سزائے موت دی جا سکتی تھی۔

چودھویں سے سولہویں صدی تک یورپ پر میکیاولی کے نظریات کا غلبہ رہا' جس نے آمریت کو استحکام بخشا اور بادشاہوں کے ہاتھ مضبوط کئے اور حصول اقتدار کو حاصل زندگی بنادیا' سترہویں صدی میں انسان کے فطری حقوق کا نظریہ پھر پوری قوت سے ابھرا' ۱۸۸۹ء میں پارلیمنٹ نے برطانیہ کی دستوری تاریخ کی اہم ترین دستاویز'' قانون حقوق'' (Bill of Right) منظور کی بقول لارڈ ایکٹن (Lord Acton) یہ انگریز قوم کا عظیم ترین کارنامہ ہے۔ ۱۶۹۰ء کے جواز میں اپنی کتاب (Tieties on cing Government) تصنیف کی' جس میں معاہدہ عمرانی کا نظریہ پیش کیا اور فرد کے حقوق پر بڑی مدلل بحث کی۔۱۷۶۲ء میں مشہور فرانسیسی مفکر روسو(Reusseave) نے معاہدہ عمرانی کے زیرعنوان ایک کتاب لکھی' جس میں ہابس اور لاک کے پیش کردہ ''معاہدۂ عمرانی'' کا ایک نئے زاویہ سے جائزہ لیا گیا' اس نے ہابس کے مقتدر اعلیٰ اور لاک کی جمہوریت کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ۱۲رجون ۱۷۷۶ء کو امریکی ریاست ورجینا(Virginia) سے جارج میسن (Gaorge Mason) کا تحریر کردہ منشور حقوق جاری ہوا' جس میں پریس کی آزادی' مذہب کی آزادی اور عدالتی چارہ جوئی کے حق کی ضمانت دی گئی۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد جرمنی اور متعدد نئے یورپی ممالک کے دساتیر میں بنیادی حقوق شامل کئے گئے۔ ۱۹۴۰ء میں مشہور ادیب ایچ' جی ویلز (H.G.Wells) نے کانگریس سے چار آزادیوں کی حمایت کرنے کی اپیل کی' اگست ۱۹۴۱ء میں منشور اوقیانوس(Atlanitc Charter) پر دستخط ہوئے' جس کا مقصد قول چرچل ''انسانی حقوق '' کی علم برداری کے ساتھ جنگ کا خاتمہ تھا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد تحریری دساتیر میں بنیادی حقوق کی شمولیت مزید نمایاں ہوگئی' فرانس نے اپنے ۱۹۴۶ء کے دستور میں ۱۸۸۹ء کے منشور انسانی حقوق کے لئے کی جانے والی کوششوں کے نتیجے میں بالاخر ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے انسانی حقوق کے حوالے سے عالمی منشور کا اعلان کیا' جس میں وہ تمام حقوق سمیٹنے کی کوشش کی گئی جو مختلف یورپی ممالک کے دساتیر میں شامل تھے۔ جنرل اسمبلی میں رائے شماری کے وقت اس منشور کے حق میں ۴۸ ووٹ آئے' ۸ ممالک نے رائے شماری میں حصہ نہیں لیا جن میں روس بھی شامل تھا۔ (۱)

اس منشور پر عمل درآمد کی صورتِ حال کا جائزہ لینے اور ان کے تحفظ یا نئے حقوق کے تعین کیلئے اپنی تجاویز پیش کرنے کے لئے ایک مستقل کمیشن برائے حقوق انسانی بھی قائم کردیا گیا' یہ اور بات ہے عملاً سو فیصد کامیابی ہنوز نہیں ملی ہے۔

<u>انسانی حقوق کا عالمی منشور:</u> اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو انسانی حقوق سے متعلق جس عالمی منشور کا اعلان کیا وہ تیس دفعات پر مشتمل ہے۔ مختصر تمہید کے بعد دفعات کا تذکرہ یوں ہے:

۱۔ تمام انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں امتیازات وحقوق کے معاملے میں مساوی الحیثیت ہیں۔

۲۔ ہر فرد و نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب، سیاسی یا دوسرے نظریات قومی و سماجی حیثیت، املاک، پیدائش یا کوئی اور حیثیت وجہ امتیاز نہیں بن سکتی۔

۳۔ ہر فرد کو زندہ و آزاد رہنے اور اپنی جان کی حفاظت کرنے کا حق حاصل ہے۔

۴۔ کسی بھی شخص کو نہ غلام بنایا جائے گا اور نہ محکوم رکھا جائے گا۔ غلامی اور غلاموں کی تجارت اپنی تمام شکلوں میں ممنوع ہوگی۔

۵۔ کسی بھی شخص کو تشدد، ظلم و ستم کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا اور نہ ہی کسی کے ساتھ تذلیل آمیز برتاؤ کیا جائے گا۔

۶۔ ہر فرد کو قانون کی نظر میں بحیثیت فرد ایک تسلیم شدہ حیثیت حاصل ہوگی۔

۷۔ قانون کی نگاہ میں سب کی حیثیت مساوی ہوگی اور انہیں کسی امتیاز کے بغیر یکساں قانونی تحفظ حاصل ہوگا۔

۸۔ ہر فرد کو آئین یا قانون کے ذریعے ملنے والے بنیادی حقوق کے منافی قوانین کے خلاف یا اختیار قومی ٹریبونل کے ذریعے موثر چارہ جوئی کا حق حاصل ہوگا۔

۹۔ کسی بھی فرد کو بلا جواز گرفتاری، نظر بندی یا جلاوطنی کی سزا نہیں دی جائے گی۔

۱۰۔ ہر شخص کو اپنے بنیادی حقوق و فرائض کے تعین یا اپنے خلاف عائد کردہ الزامات سے برأت کے لئے آزاد و خودمختار اور غیر جانبدار ٹریبونل کے ذریعے کھلی اور منصفانہ سماعت کا یکساں حق حاصل ہوگا۔

۱۱۔ (الف) کسی تعزیری جرم کی صورت میں ہر فرد کو اس وقت تک بے قصور سمجھے جانے کا حق حاصل ہوگا، جب تک ایسی کھلی عدالت میں اسے قانون کے مطابق مجرم ثابت نہ کر دیا جائے، جہاں اسے اپنی صفائی کی تمام ضمانتیں فراہم کی گئیں ہوں۔

(ب) کسی فرد کو کسی ایسے ارادی یا غیر ارادی فعل کی بنیاد پر قابل تعزیر جرم کا مرتکب قرار نہیں دیا جا سکتا جو فی الواقع یا بین الاقوامی قانون کے تحت قابل تعزیر نہ ہو۔

۱۲۔ کسی بھی فرد کی خلوت، خاندانی امور، گھریلو زندگی اور خط و کتابت میں مداخلت نہیں کی جائے گی اور نہ اس کی عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے گا۔

۱۳۔ (الف) ہر فرد کو اپنی ریاست کی سرحدوں میں نقل و حرکت اور رہائش کی مکمل آزادی کا حق حاصل ہوگا۔

(ب) ہر فرد کو بیرون ملک جانے اور اپنے ملک واپس آنے کا حق حاصل ہوگا۔

۱۴۔ (الف) ہر فرد کو ظلم و تشدد سے بچنے کے لئے دوسرے ممالک میں پناہ لینے کا حق حاصل ہوگا۔

(ب) غیر سیاسی جرائم یا اقوام متحدہ کے اصول و مقاصد کے منافی اعمال کے سلسلے میں مقدمات سے بچنے کے لئے یہ حق قابل استعمال نہیں ہوگا۔

۱۵۔ (الف) ہر فرد کو شہریت حاصل کرنے کا حق ہوگا۔

(ب) کسی فرد کو بلا جواز اس کی شہریت سے محروم نہیں کیا جائیگا' اور نہ شہریت کی تبدیلی کا حق سلب کیا جائے گا۔

۱۶۔(الف) ہر بالغ مرد اور عورت کو بلا امتیاز نسل' شہریت یا عقیدہ شادی کرنے اور گھر بسانے کا حق حاصل ہوگا۔

(ب) خاندان: معاشرہ کا بنیادی اور فطری حصہ ہے جو ریاست کی طرف سے مکمل تحفظ کا مستحق ہے۔

۱۷۔ (الف) ہر فرد کو تنہا یا دوسرے کے ساتھ ملک کر جائیداد رکھنے کا حق حاصل ہوگا۔

(ب) کسی کو بلا جواز اس کی ملکیت سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

۱۸۔ ہر فرد کو فکر و خیال' ضمیر اور عقیدے کی آزادی حاصل ہوگی اور اس میں بتدیلی' عقیدہ' اظہار عقیدہ' تبلیغ عقیدہ اور عبادت کا بھی حق شامل ہے۔

۱۹۔ ہر فرد کو اظہار خیال کی آزادی کا حق حاصل ہے اس میں کسی مداخلت کے بغیر کوئی بھی رائے رکھنے' کسی بھی ذریعہ سے اور سرحدوں کا لحاظ کئے بغیر خیالات و معلومات حاصل کرنے اور پہنچانے کا بھی حق شامل ہے۔

۲۰۔ (الف) ہر فرد کو پرامن اجتماع و تنظیم کا حق حاصل ہے۔

(ب) کسی کو کسی خاص تنظیم سے وابستہ ہونے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

۲۱۔ (الف) ہر فرد کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا منتخب نمائندوں کے ذریعے شرکت کا حق ہے۔

(ب) ہر فرد کو اپنے ملک کی سرکاری ملازمت کے حصول کا مساوی حق حاصل ہے۔

(ج) حکومت کے اختیار کی اصل بنیاد عوام کی خواہش و مرضی ہوگی' جس کا اظہار انتخابات کے ذریعہ آزادانہ رائے شماری اور خفیہ رائے دہی کی صورت میں ہوگا۔

۲۲۔ ہر فرد کو اپنی باوقار زندگی اور تعمیر شخصیت کیلئے سماجی تحفظ کا حق حاصل ہوگا' اور وہ قومی مساعی اور بین الاقوامی تعاون کے ذریعہ اور ہر ریاست کے وسائل کے مطابق معاشی' معاشرتی اور ثقافتی حقوق کا مستحق ہوگا۔

۲۳۔ ہر فرد کو کام کرنے' اپنی پسند کا پیشہ منتخب کرنے' بہتر اور منصفانہ شرائط پر کام حاصل کرنے اور بیروزگاری سے تحفظ پانے کا حق حاصل ہوگا۔

(ب) ہر فرد کو بلا امتیاز یکساں کام کی یکساں اجرت ملے گی۔

(ج) ہر فرد کو بہتر اور منصفانہ معاوضہ حاصل کرنے کا حق ہے جو اس کی ذات اور اس کے خاندان کیلئے باعزت زندگی بسر کرنے کی ضمانت فراہم کرسکے اور ضروری ہو تو اس کے سماجی تحفظ کے لئے کچھ دوسرے ذرائع بھی مہیا کئے جائیں۔

(د) ہر فرد کو اپنے مفادات کے لئے ٹریڈ یونین بنانے اور ان میں شامل ہونے کا حق حاصل ہوگا۔

۲۴۔ ہر فرد کو راحت و آرام، تفریح، اوقات کار کے معقول تعین اور تنخواہ کے ساتھ چھٹیوں کا حق ہوگا۔

۲۵۔ ہر فرد کو اپنی اور اپنے اہل خاندان کی صحت و خوشحالی کے لئے معقول معیار زندگی برقرار رکھنے کا حق حاصل ہے۔ جس میں خوراک، لباس، رہائش، طبی امداد، ضروری سروس، بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپے اور اس نوعیت کے دوسرے حالات میں تحفظ حاصل ہوگا۔

۲۶۔ ہر فرد کو حصول تعلیم کا حق حاصل ہے۔

(ب) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی مکمل تعمیر اور انسانی حقوق و آزادیوں کے احترام کو مستحکم بنانا ہوگا

(ج) والدین کو اپنے بچوں کے لئے نوعیت تعلیم کے انتخاب کا حق حاصل ہوگا۔

۲۷۔ ہر فرد کو معاشرہ کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، علوم و فنون سے لطف اندوز ہونے اور سائنسی ترقی کے ثمرات سے متمتع ہونے کا حق ہے۔

(ب) ہر فرد کو اپنی سائنسی، ادبی یا فنی تخلیقات کے اخلاقی و مادی ثمرات کے تحفظ کا حق حاصل ہوگا۔

۲۸۔ ہر فرد ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی ماحول میں زندگی بسر کرنے کا مستحق ہے جس میں منشور کے ان حقوق اور آزادیوں سے بہرور ہونے کی ضمانت ہو۔

۲۹۔ ہر فرد اس معاشرے کی طرف ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں جس میں رہ کر ہی اس کی شخصیت کی آزادانہ اور مکمل نشوونما ممکن ہے۔

(ب) اپنے حقوق اور آزادیوں کے سلسلے میں ہر شخص صرف قانون کی عائد کردہ ان پابندیوں کے دائرہ میں رہے گا، جن کا مقصد دوسروں کے حقوق اور آزادیوں کے احترام کو یقینی بنانا ہے۔

(ج) ان حقوق اور آزادیوں کو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے منافی استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

۳۰۔ اس منشور کے کسی بھی حصے کی ایسی تعبیر نہیں کی جاسکے گی جس کا مقصد کسی بھی ریاست، گروپ یا فرد کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے کا حق دلاتا ہو، جس کے ذریعے وہ ان متعین حقوق اور آزادیوں کا ہی صفایا کردے۔ (۲)

یہ ہے دنیا کا وہ جدید ترین منشور جہاں دنیا کی تمام قوموں نے مختلف علاقائی، قومی الہامی، غیر الہامی قوانین و دساتیر کو سامنے رکھ کر مرتب کیا، اور جس کو آخری کل پائے ہوئے پچاس سال سے زیادہ عرصہ ہو رہا ہے۔ مگر مذکورہ بالا عالمی منشور، معنویت، نفاذ اور دائرہ عمل کے لحاظ سے آج تک تشنہ ہے، جس کا احساس خود مغربی مفکرین کو بھی ہے۔

۱۹۷۰ء میں رابرٹ ڈیوی اپنی تشویش کا اظہار اس طرح کر چکے ہیں:

"تقریباً دو سال قبل انقلابی ہنگامہ آرائیوں کے موقعہ پر جو آج کی ہنگامہ آرائیوں سے مختلف نہ تھیں۔ تھامسن پین نے اپنے ہم عصر لوگوں کے دیدۂ کور کو ایک تلخ حقیقت سے آشنا کیا۔ اس نے کہا تھا: "آزادی دنیا

کے گرد بھاگتی ہے' اس مفرور کو پکڑو اور انسانیت کیلئے ہر وقت ایک پناہ گاہ تیار کرو' آج ہزاروں چکنی چپڑی باتوں' ہزاروں اعلانات اور منشوروں کے بعد بھی آزادی ہنوز عنقا ہے' امریکہ ہو یا روس' پرتگال ہو' یا انگولا' انگلستان ہو' یا رہوڈیشیا' بوسٹن ہو' یا مسسی پی اس کا کہیں نام ونشان نہیں۔''(۳) ایک مبصر نے یہاں تک کہا ہے کہ:''عالمی منشور انسانی حقوق کے حوالے سے ایک خوش نما دستاویز سے زیادہ کچھ نہیں اس میں حقوق کی ایک فہرست تو مرتب کردی گئی ہے لیکن ان میں سے کوئی ایک حق بھی اپنے پیچھے قوت نافذہ نہیں رکھتا۔''(۴) ان تبصروں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ بین الاقوامی سطح پر انسان کی اجتماعی کوششیں بھی اس کے لئے پُر وقار اور آبرومندانہ زندگی کو ضمانت مہیا نہ کرسکیں۔

انسانی حقوق اور عصر حاضر موجودہ دور میں حقوق انسانی کا نعرہ دراصل ایک فیشن بن گیا ہے ہر ملک اور ہر گروہ اپنے مفاد کے مطابق حقوق انسانی کی تشریح کرتا ہے' جو بات اس کے مفاد میں ہوتی ہے اسے اپنا لیتا ہے اور جو اس کے مفاد کے خلاف جاتی ہے اس پر تنقید کرتا ہے۔ زیر نظر مقالہ میں انسانی حقوق کی مختصر تاریخ اور موجودہ صورتحال کا جائزہ لیتے ہوئے یہ واضح کرنے کی سنجیدہ کوشش کی گئی ہے کہ حقوق انسانی کی پوزیشن اسلام میں کیا ہے۔ اسلام اور حقوق انسانی کے حوالے سے آج کل مغربی میڈیا میں جو منفی رویہ پایا جاتا ہے اس کی بازگشت کی حقیقت کیا ہے۔

اسلام کا تصور حقوق انسانی: موجودہ دنیا میں ہر انسان بہت سے اجتماعی رشتوں سے وابستہ ہے ایک طرف تو وہ وسیع تر عالم فطرت سے جڑا ہوا ہے اور دوسری طرف انسانی سماج سے آدمی اپنی زندگی میں جو کچھ کرتا ہے اس میں سارے عناصر کا لازمی حصہ شامل رہتا ہے' کوئی انسان اس پر قادر نہیں کہ وہ اپنے ماحول سے آزاد ہوکر محض اپنی ذات سے کوئی قابل قدر چیز حاصل کرسکے۔...... انسان طبعاً معاشرت پسند ہے اس کی گروہی جبلت اسے اپنے ہم جنسوں کے ساتھ مل جل کر رہنے پر مجبور کرتی ہے' وہ اپنی پیدائش سے لے کر تادم زیست بے شمار افراد کی خدمات' توجہات' امداد اور سہاروں کا محتاج ہے' اپنی پرورش' خوراک' لباس' رہائش اور تعلیم وتربیت کی ضروریات ہی کے لئے نہیں' بلکہ اپنی فطری صلاحیتوں کے نشوو ارتقاء اور ان کے عملی اظہار کے لئے بھی وہ اجتماعی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے' یہ اجتماعی زندگی اس کے گرد تعلقات کا ایک وسیع تانا بانا تیار کرتی ہے۔ خاندان' برادری' محلے' شہر' ملک اور بحیثیت مجموعی پوری نوع انسانی تک پھیلے ہوئے تعلقات کے یہ چھوٹے بڑے دائرے اس کے حقوق وفرائض کا تعین کرتے ہیں۔

اسلام کا تصور حقوق انسانی کامل ومکمل ہے جو نوع انسانی کی وحدت' مساوات اور اخوت اسلام کے بنیادی اصولوں پر مبنی ہے' اسلامی معاشرے میں فرد کی حیثیت اس کی پیدائش' نسل' ذات یا طبقہ سے متعلق نہیں ہوتی' بلکہ تقویٰ اور خیر سے کی جاتی ہے' اسلامی ریاست کا ہر شہری خواہ وہ مسلمان ہو' یا غیر مسلم' زندگی کے وسائل' شہری حقوق اور سیاسی عمل کی شراکت میں عدل وانصاف کا مستحق ہے۔ یہاں یہ حقیقت بھی بڑی اہم ہے کہ اسلامی قانون میں سربراہ مملکت بھی مستثنیٰ نہیں ہے' قانون کی نگاہ میں خلیفہ' حکمراں اور ایک عام شہری یکساں حیثیت کے مالک ہیں' اسلام نے انسانوں کو

جو فطری حقوق دیئے ہیں' وہ ہر لحاظ سے حاوی اور نہایت جامع اور بامعنی ہیں'ان میں انسانی نفسیات' رجحانات' ضروریات اور تقاضوں کی مکمل رعایت موجود ہے'اس کی کسی دفعہ پر جانب داری یا معیار اعتدال سے گرے ہونے کا الزام نہیں لگایا جاسکتا' اسلام نے بحیثیت انسان پوری انسانی برادری کے ساتھ یکساں معاملہ کیا ہے۔انفرادی زندگی کے دائرے میں وہ ہر فرد کو اتنا کچھ سامانِ حیات فراہم کردینا چاہتا ہے جس کی مدد سے وہ صاف ستھری اور پاکیزہ زندگی گزار سکے اور اجتماعی دائرہ حیات میں اس کی کوشش ہوتی ہے کہ ایسا معاشرہ وجود میں آئے' جس کی ساری توانائیاں انسانیت کی مجموعی ترقی میں صرف ہوں اور قافلہء انسانیت تہذیب اسلام کے نظریہ حیات کی روشنی میں رواں دواں رہے۔

انسانی حقوق اور اسلامی تعلیمات: اسلام زندگی کا ایک عملی نظام ہے اور اس دنیا کے تمام اور جملہ مسائل پر حاوی ہے اور انکا کوئی پہلو اس کی گرفت سے آزاد نہیں وہ انسانی زندگی کے تمام تعلقات و روابط کو منضبط کرتا ہے خواہ وہ مسائل سیاسی ہوں' یا اقتصادی و معاشرتی ان کیلئے موزوں ضابطے اور قواعد مرتب کر کے انہیں عملاً نافذ کرتا ہے' اسلام کے اس کارنامے کی نمایاں ترین خوبی یہ ہے کہ وہ اس طرح سے فرد اور اجتماع' عقل اور وجدان' عمل اور عبادت' زمین اور آسمان اور دنیا و آخرت کے درمیان منفرد نوعیت کی ہم آہنگی اور توازن پیدا کر کے یہ تعلیم دیتا ہے کہ روئے زمین کا خلیفہ انسان کے ہونے کی نسبت سے قابل احترام ہے۔اور اس سے ظلم و عدوان کو دور کرنا' اسکے دکھ درد میں کام آنا ہی انسانیت کی شرافت ہے' قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو بحیثیت انسان مخاطب کرتے ہوئے اسکے اہم ترین مسائل کو حل کرنے کا راستہ بتایا ہے'ان مسائل میں یہ مسئلہ بھی شامل ہے کہ انسان اپنے دیگر انسانی بھائیوں کیساتھ کیا رویہ اپنائے۔

یہ سبھی لوگ جانتے ہیں کہ انسانوں کا پیدا کرنے والی ایک ہی ذات ہے اور انسانی جان بھی ایک ہی ہے' جس سے اس کا جوڑا پیدا کیا گیا اور پھر اس سے بہت سے مرد و عورت دنیا میں نمودار ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں دو چیزوں کے بارے میں ڈرنے اور لحاظ کرنے کا حکم دیا: ایک تو اللہ تعالیٰ کی ذات اور دوسرے رشتے' رشتوں کا اطلاق اس انسانی سلسلہ پر ہوتا ہے جو تمام انسانوں کو ایک دوسرے سے مربوط کرتا ہے' چاہے ان کے درمیان زمان و مکان کی دوری ہو' خواہ ان کی زبانیں اور رنگ جتنے بھی مختلف ہوں اور چاہے ان کے سماجی و اقتصادی حالات میں جتنا بھی فرق ہو' بنی نوع انسانی کو بلا تخصیص مذہب و ملت اس کا پابند بنایا گیا کہ وہ انسانی اخوت اور باہمی تکافل سے غافل نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمہ وقت اس کی نگرانی کر رہا ہے۔......درحقیقت اسلام حقوق انسانی کا بہت وسیع تصور رکھتا ہے' اسلامی نقطہ نظر سے اس میں وہ تمام حقوق شامل ہیں جو حالت جنین سے لے کر زندگی کے آخر مراحل تک بلکہ قبر کی مٹی میں حلول کرنے تک بحیثیت انسان ایک شخص کے لئے قرآن و سنت سے ثابت ہیں' یہ شریعت اسلامیہ کے پورے مجموعہ میں پھیلے ہوئے ہیں اور قانون کسی خاص شاخ یا شق میں محدود نہیں ہیں' اجتماعی زندگی میں انسان مختلف حیثیتوں یا رشتوں سے ایک دوسرے سے جڑا ہوا ہے اور ایک دوسرے پر بہت سے حقوق بھی لاتا ہے' اسلام کا تصور حقوق انسانی ان تمام سے بحث کرتا ہے۔

کمزوروں کی نصرت و مدد: اسلام میں اس پر بہت زور دیا گیا ہے کہ جن لوگوں کے پاس مال و دولت ہے وہ اس کو صرف اپنی ذات کیلئے خاص نہ کرلیں' بلکہ اسے دوسروں پر خصوصاً کمزور' بے سہارا معذور لوگوں پر خرچ کریں' اس کا سبب ایک حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ تم کو جو مدد ملتی ہے اور جو رزق تمہارے پاس پہنچتا ہے وہ تمہارے کمزوروں ہی کے سبب پہنچتا ہے محسن انسانیت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "عن مصعب بن سعد قال رأى سعد أن له فضلا على من دونه فقال رسول الله ﷺ هل تنصرون وترزقون الا بضعفائكم ۔ (۵) حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ حضرت سعد نے خیال کیا کہ انہیں ان سے کم تر درجہ کے لوگوں پر فضیلت حاصل ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کو جو مدد ملتی ہے اور تم کو جو رزق پہنچتا ہے وہ فقراء ہی کی وجہ سے۔ ایک دوسری روایت میں اللہ کے رسول جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے فقراء اور غرباء کی فضیلت واہمیت کو ان الفاظ میں بتلایا: "رب أشعث مدفوع بالأبواب لو أقسم على الله لأبره" (۶) بہت سے پراگندہ بال دروازوں سے بھگایا ہوا اگر کسی چیز کے بارے میں قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اسے قسم میں حانث نہ ہونے دیگا۔ اس حدیث شریف کی تشریح میں علامہ نووی شارح مسلم رقمطراز ہیں: "أى لاقدر له عند الناس فهم يدفعونه عن أبوابهم ويطردونه عنهم احتقاراً له أقسم على الله إى لو حلف على الله على وقوع شيء أوقعه إكراماً له بإجابة سواله وصيانة من الحنث في يمينه وهذا المعظم منزلة عند الله تعالىٰ وان كان حقيراً عند الناس" (۷)

یعنی ان کی کوئی قدر نہیں ہے لوگوں کے نزدیک تو وہ اسے اپنے دروازوں سے دھتکار دیتے ہیں اسے حقیر سمجھتے ہوئے' حالانکہ اگر وہ اللہ کی قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اسے قسم میں حانث ہونے سے بچالے اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے مرتبہ کی بلندی کی وجہ سے ہے اگرچہ لوگوں کے نزدیک وہ بے حیثیت ہے۔ یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ انسانوں میں کسی کے پاس زیادہ مال ہوتا ہے اور کسی کے پاس کم' اس کا سبب کیا ہے؟ اس کا سبب فطرت کا وہ نظام ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت کے تحت قائم کیا ہے یہ دنیا آزمائش کے لئے بنائی گئی ہے' اس امتحانی مصلحت کا تقاضا ہے کہ لوگوں کے درمیان فرق ہو یہی فرق انسانی معاشرہ میں امتحان کے حالات پیدا کرتا ہے' اگر انسانوں کے درمیان مختلف قسم کے فرق نہ ہوں تو آزمائش والے اسباب کا پیدا ہونا بھی ختم ہو جائے' اسی میں سے ایک فرق یہ بھی ہے کہ کوئی انسان پیدائشی طور پر قوی ہوتا ہے صاحب ثروت ہوتا ہے اور کوئی انسان ضعیف و نادار ہوتا ہے' اسی فرق کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے کہ قوی آدمی زیادہ سے زیادہ مال اکٹھا کر لیتا ہے' اور ضعیف و نادار آدمی غربت و افلاس میں گھر جاتا ہے اور زیادہ مال حاصل کرنے سے محروم رہ جاتا ہے۔ ایسے موقع پر مال دار آدمی کو چاہیے کہ نادار کا تعاون کرے اور اپنے مال میں سے اس کا بھی کچھ حصہ مقرر کردے' اسلام اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ بلا تخصیص ملت و مذہب جو شخص لوگوں کے کام آئے وہ لوگوں کی نظر میں ان کا محبوب ہو جاتا ہے۔ لوگوں کا دل اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے (بقیہ صفحہ ۴۴ پر)

حافظ محمد عرفان الحق اظہار حقانی
مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مولانا سمیع الحق کے پچھلے دورۂ ایران کی سرگزشت

(قسط نمبر ۱۱)

نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد بزرگ آزادی ہوٹل میں کل ہفتہ 8 مئی 2004 کے پروگرام کے بارے میں مشاورت ہوئی۔ باہمی مشاورت سے قم جانا طے ہوا۔ مجمع التقریب کے نائب سیکرٹری جلال الدین میر آقائی نے پروگرام شیڈول سے آگاہی دلاتے ہوئے کہا کہ کل صبح انشاء اللہ 8 بجے یہاں سے روانہ ہوں گے۔ رات بخیر و عافیت گزارنے کے بعد حسب پروگرام ہمارا قافلہ قم کی طرف روانہ ہوا۔ قم کی حیثیت اہل تشیع کے ہاں وہی ہے جو اہل سنت کے ہاں جامعۃ الازہر، دیوبند اور انگریزوں کے ہاں آکسفورڈ یا ان جیسے دیگر بڑے تعلیمی مراکز والے شہروں کی ہے۔ قم کے بارے میں مولانا تقی عثمانی نے لکھا ہے کہ کمندان سے مختصر اور معرب ہے۔ اسی شہر میں ایران کے اہل تشیع کی دوسری بڑی زیارت گاہ سیدہ معصومہؒ بھی واقع ہے۔

آیئے قم داخل ہونے سے قبل اس کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں۔

قم پر ایک نظر: قم شمالی ایران کا مشہور شہر ہے۔ جو ۵۰ درجہ ۵۳ دقیقہ طول بلد اور ۳۴ درجہ ۳۸ دقیقہ عرض بلد پر سطح سمندر سے ۹۳۰ گز کی اونچائی پر واقع ہے۔ یہ تہران کے جنوب میں ۱۴۷ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ مواصلاتی اعتبار سے بھی قم ایران کا اہم شہر جانا جاتا ہے۔ تہران سے اصفہان، شیراز، کرمان، اہواز، یزد، زاہدان وغیرہ جیسے اہم شہروں سمیت خلیج فارس اور بحیرہ عمان کی اہم بندرگاہوں اور تیل کے ذخائر تک جانے والی سڑکیں اور ایرانین ریلوے لائن قم سے ہوکر گزرتی ہے۔ قم کے قالین دنیا بھر میں عمدہ اور نفیس شمار ہوتے ہیں۔ قم زمانہ قبل از اسلام سے آباد ہے۔ اسے ۲۳ھ بمطابق ۶۴۴ء میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں فتح کیا تھا۔ دوسری صدی ہجری تک یہ اصفہان کے ماتحت رہا۔ ہارون الرشیدؒ نے اسے مستقل حیثیت سے نوازا۔ خلیفہ المامونؒ کے عہد میں قم نے بغاوت کی اور یحییٰ بن عمران کی زیر قیادت محاصل ادا کرنے سے انکار کردیا۔ خلیفہ نے علی بن ہشام المروزی کو روانہ کیا جس نے قم کی فصیل منہدم کر کے ستر لاکھ درہم تاوان جنگ عائد کردیا۔ المعتز کے دور خلافت میں یہ عہد نامہ توڑ دیا گیا۔ تو اس پر خلیفہ وقت نے عراق عجم کے عامل موسیٰ بن بوغاء کو فوج کے ہمراہ بھیجا جس نے اصلاح احوال کی۔ ساتویں صدی میں جب مغلوں نے حملہ کیا تو انہوں نے اس شہر کو بھی تاراج کیا۔ نویں صدی ہجری میں یہ دوبارہ آباد ہوا۔ صفوی دور میں قم کو خاص اہمیت حاصل رہی اور اس کی آبادی پچاس ہزار تک پہونچ گئی۔ یہاں پانچ صفوی بادشاہان بھی مدفون ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں: (۱) شاہ صفی (۲) شاہ عباس دوم (۳) شاہ سلیمان

(۴)شاہ سلطان حسین (۵) شاہ طہماسپ دوم لغت دہ خدا (فارسی زبان میں ایرانی انسائیکلو پیڈیا کی کتاب) کے مطابق افغانیوں نے بھی ایک دور میں اسے ویران کیا۔ اور پھر فتح علی شاہ نے اسے دوبارہ آباد کیا۔ حضرت معصومہؓ کا گنبد بھی اسی نے بنوایا اور موصوف نے اپنے لئے بھی یہیں قبر بنوائی اور وہ دو بیٹوں سمیت یہاں مدفون ہے۔ یہاں کے باشندے ہمیشہ سے کٹر شیعہ رہے ہیں۔ قم کی اصل وجہ شہرت اس وقت دینی اور ثقافتی پہلو سے ہے' دینی لحاظ سے قم دنیا کے اہل تشیع کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ شیعوں کے ساتویں امام موسیٰ کاظم کی بیٹی اور آٹھویں امام علی رضا کی بہن سیدہ فاطمہ کا مزار بھی اسی شہر میں واقع ہے۔ شہر کی آبادی و ترقی کا بنیادی سبب یہی مزار ہیں۔ ۲۰۱ھ میں موصوفہ حضرت امام رضا سے ملاقات کیلئے مدینہ منورہ سے یہاں آئیں' جب قم کے قریب ساوہ پہنچی تو بیمار پڑ گئیں۔ ایک دو ہفتے قم میں ٹھہرے رہنے کے بعد بیماری کے عالم میں انتقال فرما گئیں اور یہیں مدفون ہوئیں۔ ایران کے اسلامی انقلاب کی پہلی چنگاری قم سے ہی بھڑک اٹھی تھی۔ بانی انقلاب امام خمینی نے اپنے انقلابی افکار کا پرچار اور شاہ کے خلاف للکار کا آغاز اسی مقام سے کیا۔ یہی وجہ ہے کہ انقلاب کے بعد اس شہر کو خاص اہمیت اور مقام سے نوازا گیا۔ یہاں سینکڑوں اعلیٰ سطح کے مدارس شیعہ اصولوں کے مطابق تعلیم دینے میں مصروف عمل ہیں۔

<u>لطیفہ قاضی قم:</u> مولانا سمیع الحق اور مولانا حسن جان نے دوران سفر قاضی قم کے معزولی سے متعلق مشہور لطیفہ بھی سنایا جو کچھ یوں ہے کہ حکمران وقت نے یہاں کے قاضی سے خطاب کرتے ہوئے کہا "ایها القاضی بقم قد عزلناک فقم۔" جس کا معنی ہے "اے قم کے قاضی ہم نے تمہیں معزول کر دیا لہٰذا اپنی مسند قضا سے اٹھ کھڑے ہو" بعد میں قاضی موصوف اپنی وجہ معزولی سے متعلق کہتے ۔انا معزول السجع من غیر جرم ولا سبب ۔ "میں بغیر کسی جرم اور سبب کے صرف قافیہ بندی کے شوق سے معزول کیا گیا"

ڈیڑھ گھنٹہ کے سفر کے بعد ہم قم شہر میں داخل ہوئے ۔قم ایک صاف ستھرا' سادہ اور خوبصورت شہر ہے۔ یہاں کی عمارات ایک منظم انداز سے بنائی گئی ہیں۔

<u>آیۃ اللہ ناصر مکارم شیرازی سے ملاقات اور باہمی گفتگو:</u> مرتب شدہ پروگرام کے مطابق ہمیں سب سے پہلے شیعوں کے مرجع دین کی حیثیت سے متعارف' ایک علمی اور دینی شخصیت آیۃ اللہ ناصر مکارم شیرازی سے ملاقات کیلئے لے جایا گیا۔ موصوف مدرسہ علمیہ حسینیہ کے مدیر اور ۱۴۰ کتابوں کے مصنف ومؤلف ہیں۔ مدرسہ کے مین دروازے پر سن تاسیس شمسی تاریخ کے مطابق ۱۳۶۸ھ لکھا تھا۔ ہماری ملاقات ان سے مدرسہ میں واقع ان کے دفتر میں ہوئی۔ انہوں نے تمام مہمانوں کا والہانہ انداز سے استقبال کیا۔ ان سے جو بات چیت ہوئی اسکی مختصر سی جھلک نذر قارئین ہے:

<u>قم کی تعلیمی مرجعیت:</u> قم کے بارے میں شیرازی صاحب نے بتایا کہ یہاں چالیس ہزار طلبا زیر تعلیم ہیں جن میں تیس ہزار مقامی اور دس ہزار غیر ملکی ۹۰ مختلف ممالک سے تعلق رکھتے ہیں۔ قم میں مدارس و مراکز کی تعداد 200 ہے۔ جن میں مختلف فیکلٹیز حدیث' تبلیغ' فقہ اور علم کلام کے نام سے قائم ہیں۔ ان مراکز سے مختلف رسائل وجرائد اور

اخبارات کی یومیہ' ہفت روزہ' ماہانہ اور سہ ماہی اشاعتیں بھی ہوتی ہیں۔ یہ علمی سلسلہ ائمہ اہل بیت کے زمانے سے یہاں جاری ہے۔ انہوں نے ہمیں قم کا تعارف تعلیمی' تاریخی اور تبلیغی حیثیت سے کیا۔ مولانا سمیع الحق نے فرمایا کہ ہم بچپن سے قم کے تذکرے اور علمی حیثیت سے متعلق سنتے اور پڑھتے آئے۔ آج اسے عین الیقین سے دیکھا۔ شیرازی صاحب نے سوال کیا کہ پاکستان میں دینی تعلیم کی کیفیت کیا ہے؟ اس پر مولانا سمیع الحق نے فرمایا کہ صرف اہل سنت کے دیوبندی مکتب فکر کے دس ہزار مدارس وہاں مصروف عمل ہیں۔ ان میں ایک بڑی تعداد عورتوں کے مدارس کی بھی ہے۔ ایران میں عورتوں کی تعلیم کے بارے میں شیرازی صاحب نے کہا کہ جمعیت الزہرئ تنظیم کے تحت یہاں ہزاروں عورتیں ابتداء سے منتہی درجات تک پڑھتی ہیں۔ شیرازی صاحب نے دینی مدارس کو حکومتی تحویل میں لینے کے بارے میں سوال کیا تو احقر نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے جواب دیا کہ حکومت امریکی ایماء پر ان مدارس کو اپنے کنٹرول میں لینا چاہتی ہے۔ امریکہ نے اس سلسلہ میں حکومت کو 600 ملین ڈالر سے نوازا ہے۔ تاکہ اس خطیر رقم کو ان مدارس پر تقسیم کرکے انہیں خریدا جاسکے۔ لیکن الحمدللہ تاحال وہ امریکی روپیہ حکومت کے پاس پڑا ہے۔ ہر مدرسہ نے اس حکومتی اور امریکی امداد کو ٹھکرایا۔ مولانا سمیع الحق نے میری بات کو بڑھاتے ہوئے کہا کہ یہ نہایت ہی خطرناک صورتحال ہے۔ ہماری حکومتوں کی اولین ترجیح یہ ہے کہ ہمارا نصاب تبدیل کیا جائے اور ایسا عصری نصاب دیا جائے جو دینی حمیت وغیرت سے عاری ہو۔ مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ ان ہی مقاصد کی بنیاد پر عصری تعلیمی مراکز' اسکولز و کالجز میں جہاد سے متعلق آیات نصاب سے حذف کردی گئیں۔ شیرازی صاحب نے کہا کہ امریکہ نے مسلمانوں کو تقسیم در تقسیم کا شکار کرکے کمزور بنادیا ہے اور اب ان کو ختم کرنے پر تلا ہوا ہے۔

<u>دارالحرب اور دارالاسلام کی تعبیر:</u> دارالحرب اور دارالاسلام کی بات آئی تو مولانا سمیع الحق نے فرمایا کہ میرے پاس امریکہ' یورپ اور دیگر مغربی ممالک کے پریس اور میڈیا کے نمائندے اکثر انٹرویوز کرنے آتے ہیں۔ انہوں نے دارالحرب کے بارے میں سوال کیا تو میں فقہاء کے تصریحات میں پڑھ کر ان کی ذہنی الجھنوں کو بڑھانے سے گریز کرنا چاہتا تھا' مگر ان کے طنزیہ انداز کو سمجھ جاتا ہوں تو میرے ذہن و دماغ میں اس کی ایک نئی تعبیر آئی' جسے میں نے ان کے سامنے بیان بھی کیا کہ دارالحرب اس کو کہتے ہیں جس کے رہنے والے ہر وقت جنگ کے بارے میں سوچتے ہیں۔ اسلئے ان علاقوں کو دارالحرب کہا گیا۔ جبکہ دارالاسلام والے ہر وقت سلامتی اور امن کے بارے میں سوچتے ہیں اسی لئے اس کے رہنے والے کو مسلمان اور اس علاقہ کو دارالاسلام کہا جاتا ہے۔ اس پر علامہ شیرازی صاحب نے کہا کہ آپ کی یہ تعبیر بھی الہامی ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا۔ اس نے بتایا کہ آپ اہل سنت ایران آئیں اور ہمارے اہل تشیع پاکستان جائیں تو اس طرح باہمی اخوت و محبت پروان چڑھے گی۔ مولانا سمیع الحق نے فرمایا کہ جس طرح عالم کفر کا ظہور الکفر ملة واحدة کی صورت میں آج سامنے ہے تاریخ میں شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہو۔ شرق و غرب کی تمام کفری طاقتیں سب ایک نقطے پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کو مٹاؤ۔ ان حالات میں ہمیں باہمی اختلافات کو پس

پشت ڈال کر یکجا صورت میں مقابلہ کرنے کی تیاری کرنی ہوگی۔ ورنہ تو ہمارا نام ونشان تک نہ رہے گا۔ شیرازی صاحب نے کہا کہ یورپ کے پندرہ ممالک یورپی یونین کے تحت ایک ہوسکتے ہیں جبکہ ہم ایک خدا اور ایک رسول کے ماننے والے کیوں نہیں ایک ہوسکتے۔ مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ اگر ہم سوچ وفکر سے کام لیں تو ہمارے لئے یہی بات ہی اتحاد کا ذریعہ ثابت ہوسکتی ہے کہ کفر تمام اختلافات بھلا کر ایک ہوچکا ہے اور ہم ابھی تک دست وگریباں ہیں۔

ایران میں اسلام کی آمد: مولانا حسن جان نے شیرازی صاحب سے سوال کیا کہ ایران میں اسلام کب آیا ہے؟ تو اس پر انہوں نے جواب دیا کہ یہاں ائمہ اہل بیت آئے تھے۔ علی ابن جعفرؒ حسن عسکریؒ سیدہ معصومہؒ ہمشیرہ امام رضا' اور خود امام علی رضاؒ کی زیارات یہیں ہیں۔ بقول مولانا حسن جان میں شیرازی صاحب سے یہ کہلوانا چاہتا تھا کہ ایران دور فاروقی میں فتح ہوا۔ لہذا یہاں کا اسلام حضرت عمر فاروقؓ کے مرہون منت ہے۔ یہاں ہماری تواضع مشروبات اور چائے وغیرہ سے کی گئی۔ اس ملاقات کے اختتام پر شیرازی صاحب نے ہمارے وفد کے جملہ اراکین کو اپنی بعض مطبوعات جن میں ان کی ضخیم تفسیر الامثل (۲۰ جلدوں میں) بھی شامل تھی' سے نوازا۔ اس کے بعد ہم نے ان سے رخصت لی۔ یہاں سے ہم آیۃ اللہ سیستانی کے قائم کردہ مدرسہ کی طرف گئے۔

مجتمع مسکونی آیۃ اللہ العظمی السیستانی جہاں ہمارا استقبال حجۃ الاسلام آغا سید جواد شہرستانی نے کیا جو آیۃ اللہ سیستانی کے داماد اور اس مدرسہ کے موجودہ سربراہ ہیں۔ وہ ہمیں سب سے پہلے طلباء کی رہائشی کمروں کی طرف لے کر گئے۔ دیکھنے پر اندازہ ہوا کہ یہ نو تعمیر شدہ ہیں۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ یہاں متأھلین طلباء (شادی شدہ) کو دو بیڈ روم' ڈرائنگ روم' باتھ روم' ٹائلٹ اور کچن پر مشتمل مکانات سکونت کیلئے دیئے جاتے ہیں۔ ایک مکان ہمیں نمونہ کے طور پر دکھایا گیا۔ دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اس مکان میں صرف مکینوں کی کمی ہے باقی روزمرہ کی جملہ سہولیات موجود ہیں۔ اسی طرح کے 340 مکانات دو اہل خیر حضرات نے طلباء کیلئے بنائے ہیں۔ جن میں نادار فقراء طلباء کو وظائف سے بھی نوازا جاتا ہے۔ میں نے چلتے چلتے پوچھا کہ آپ کے مدارس کے آمدن کے ذرائع کیا ہیں؟ تو مجھے بتایا گیا کہ لوگ خمس دیتے ہیں۔ خمس نقدی میں اور 19 دیگر اشیاء مالی میں زکوٰۃ دی جاتی ہے۔ طلباء کے مفت علاج کیلئے یہاں ایک ہسپتال کا بندوبست بھی کیا گیا ہے۔ آنکھوں کا ہسپتال علیحدہ قائم ہے' جس میں ایک لیزر مشین چار لاکھ ڈالر کی مالیت سے خریدی گئی ہے۔

مکتب رئیسی حوزہ علمیہ آیۃ اللہ سیستانی: مدرسہ کے معائنہ کے بعد ہمیں مدرسہ کے مرکزی دفتر میں بات چیت اور باہمی گفتگو کے لئے بٹھایا گیا۔ یہاں ہماری ملاقات شیخ مصطفیٰ الہرنجی سے ہوئی۔ موصوف کثیر التالیف مصنف ومؤلف ہیں۔ آیۃ اللہ سیستانی کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ وہ سیستان میں پیدا ہوئے' قم میں پڑھے اور اس وقت گزشتہ پچاس برس سے نجف اشرف عراق میں مقیم ہے۔ ہرنجی صاحب نے بتایا کہ جہاد کا موقف پورے عالم اسلام کی طرف سے ہونا چاہیے اس طرح سے یہ زیادہ موثر کامیاب اور نتیجہ خیز ثابت ہوگا۔

یہاں ہماری تواضع مشروبات اور کھجوروں سے کی گئی۔ میں نے پوچھا کہ یہ کھجور ایرانی ہیں یا عراقی؟ تو شہرستانی صاحب نے بتایا کہ عراق میں کھجور کی پیداوار بہت زیادہ تھی لیکن صدام حسین نے جنگ کی وجہ سے کھجور کے درختوں کو کٹوا دیا۔ مولانا سمیع الحق نے آیۃ اللہ سیستانی کے بارے میں پوچھا کہ وہ ایران کیوں نہیں آتے؟ تو بتایا گیا کہ وہاں کے کثرت مشاغل ان کے یہاں آنے سے مانع ہیں۔ یہ نشست تقریباً دو گھنٹے سے زیادہ رہی۔ یہیں ہم نے دوپہر کا کھانا بھی کھایا اور پھر ان سے رخصت لی۔

مرکز تحقیقی مجمعؑ التقریب قم میں مجمع التقریب کا ایک تحقیقی مرکز قائم ہے۔ جس میں ایک بڑی لائبریری بھی ہے۔ وہاں جانے کا بھی اتفاق ہوا۔ اس کتب خانے میں ہزاروں کتابوں کا ذخیرہ محفوظ ہے۔ بعض کتابوں جیسے آیات الاحکام المقارنۃ ان تجمع آیات الاحکامیہ من السنیہ والشیعیہ۔ القواعد الفقیہ المقارنہ۔ التفسیر الاثری یعنی تفسیر المنقول ۔علاقۃ الاسلام والغرب وتاریخھا ۔ اشتراکات الحدیث وغیرھم کی سرسری ورق گردانی بھی احقر نے کی۔ یہ عجیب بات بھی علم میں آئی کہ اہل تشیع احادیث میں صرف امام تک سند بیان کرنے کے قائل ہیں اور اس سے آگے سند بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ میں نے یہاں بعض علماء سے سوال کیا کہ حدیث کی صحت اور ضعف وسقم کا مدار تو سند پر ہوتا ہے اگر آپ سند بیان نہ کریں تو اس کا امتیاز کس طرح سے ممکن ہوگا۔ جس کا خاطر خواہ جواب وہ نہ دے پائے۔ ان کا جواب یہی تھا کہ امام کا مرتبہ اور مقام عالی ہے۔ اسلئے جب وہ احادیث بیان کرے تو پھر اس کی تحقیق وتتبع مت کرو۔ اس مرکز کے فوقانی منزل کے ایک کمرے میں ہمیں کچھ دیر قیلولہ کرنے کا موقع بھی ملا۔ یہاں سے فراغت پر منتظمین نے ہمیں دو کتابیں تحریر المجلہ کتاب شناسی تفصیلی مذاہب اسلامی بھی دیں۔

حوزہ علمیہ قم کے مرکز تبلیغات میں: اس کے بعد قم کے تبلیغات کے مرکز میں جانا ہوا' یہاں ہماری ملاقات حجۃ الاسلام پاریناں' معاون ومشیر تعلیم رئیس دانش گاہ قم حجۃ الاسلام دکتور صالحی ۔ حجۃ الاسلام سکندری' معاون تبلیغ قم اور حجۃ الاسلام ہاشمی' مدیر تبلیغات قم سے ہوئیں۔ ہمیں بات چیت اور باہمی گفتگو کیلئے اس مرکز کے کانفرنس روم میں لے جایا گیا۔ یہاں گفتگو کا آغاز آغا ربانی نمائندہ رہبر بلوچستان وعضو ہیئہ علمی ورئیس دفتر تبلیغات نے کیں۔ انہوں نے بتایا گیا کہ ان مدارس میں فقہ' اصول فقہ' علم کلام' فلسفہ اور تفسیر جیسے دینی علوم کے علاوہ عصری علوم جیسے اقتصادیات وغیرہ بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ حوزہ علمیہ کے بارے میں بتایا گیا کہ اس میں بہت سارے مدارس شامل ہیں۔ گویا اس کی حیثیت ایک وفاق کی طرح ہے۔ جس میں مدرسہ فیضیہ زیادہ شہرت یافتہ ہے۔ جب ان سے ان مدارس کے ذرائع آمدن ومصارف کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ شیعہ فقہ کے مطابق لوگوں سے خمس لیا جاتا ہے اس کے علاوہ اوقاف کی آمدنیاں بھی ان مدارس پر خرچ کی جاتی ہے۔ نہ صرف اہل تشیع پر بلکہ اہل سنت کی مدد وتعاون بھی اس سے کروائی جاتی ہے۔ تاکہ باہمی تلطف اور محبت پیدا ہو۔ یہاں طلباء کا باقاعدہ بیمہ بھی کروایا جاتا ہے۔ کوئی طالب علم بیمار

پڑ جائے تو اس کا علاج معالجہ وغیرہ بھی یہی ادارے کرواتے ہیں۔ حاجی آغا ربانی نے کہا کہ ہمارا باہمی تعارف تالف میں بدلنا چاہیے۔

ملی یکجہتی کونسل کا ذکر: مولانا سمیع الحق نے اس سلسلہ میں پاکستان میں بڑی کوششوں سے قائم کئے گئے ملی یکجہتی کونسل اور اس کے مثبت نتائج سامنے آنے کا ذکر کیا اور متفقہ طور پر طے کیے ۱۷ نکات پر مشتمل ضابطہ اخلاق کی تفصیل بیان کی جس پر شیعہ سنی تمام مکاتب فکر کے اکابر نے دستخط کیے اور اسلام کے تمام مقدس شخصیات صحابہ اکرام اہل بیت اور ازواج مطہرات سمیت سب کی بے ادبی سے اجتناب کا عہد کیا گیا' مولانا نے اس مجلس سے بھی اس نہج پر کام کرنے کا مشورہ دیا اور فرمایا کہ اس سلسلے میں ہم آپ کے تعاون کے بھی طلبگار ہیں۔ قرآن نے اعتصام واخوت کا درس دیا ہے۔ آغا ربانی نے اس کے جواب میں کہا کہ یہاں تو مسلسل یہی دعوت دی جاتی ہے۔ ایران میں مختلف مسالک کے لوگوں کو ان کے اپنے مسلک کے مطابق میں فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے جیسے کہ کردستان کے علاقہ میں شوافع کے مذہب ومسلک کے مطابق قضا اور احناف کے علاقوں میں احناف کے مطابق فیصلے دیئے جاتے ہیں۔ ان علاقوں میں لوگوں کو اساتذہ اور کتابیں بھی حکومت کی طرف سے مفت فراہم کی جاتی ہیں۔ وہاں کی تعمیر کی بھی اجازت ہے۔ زاہدان میں مولانا عبدالحمید صاحب کے ہاں اتنی بڑی مسجد بنائی گئی ہے جتنی بڑی کہ مسجد نبویؐ (مبالغہ) ہے۔ اس حد تک محبت و اخوت کی فضا ہے کہ شیعوں کے اکثریتی علاقوں سے بعض مقامات پر اہل سنت کے افراد پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہو کر آئے اور اسی طرح بعض اہل سنت کے اکثریتی علاقوں سے شیعہ ممبر منتخب ہو کر آئے۔ جہاں کوئی کسی شخص یا اس کے مسلک کی توہین کرتا ہے اسے پابند سلاسل کیا جاتا ہے۔

مولانا حسن جان نے گفتگو کے دوران سوال کیا کہ یہ بتایئے کہ آیۃ اللہ' آیۃ اللہ العظمیٰ حجۃ اللہ اور حجۃ الاسلام والمسلمین یہ کوئی منصب ومرتبہ ہے یا کوئی سند وڈگری ہے یا علمی مدارج کے نام ہیں جن سے آپ اپنے علماء کو نوازتے ہیں؟ ان کا جواب تھا ائمہ کے زمانے سے یہ سلسلہ رائج ہے کہ مختلف شعبوں میں نمایاں مقام حاصل کرنے والے علماء کو ان القابات سے پکارا جاتا ہے۔

صحابہ سے محبت احسان شناسی کا تقاضا: مولانا حسن جان نے دوران گفتگو ان کی بعض کتابوں کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ان کتابوں میں آپ کے اکابر نے صحابہ کرامؓ پر جرح وتنقید اور حتیٰ کہ سب وشتم تک کیا ہے۔ صحابہؓ سے محبت وعقیدت' ایمان اور احسان شناسی کا تقاضا ہے۔ اگر اہل سنت کی طرف سے کسی بھی کتاب یا مقام پر آپ کی دل آزاری ہوئی ہو تو آپ ہمیں اہل سنت کی کوتاہیوں سے آگاہ کیجئے تاکہ ہم نہ صرف اس کا محاسبہ اور تدارک کرسکیں بلکہ ان کو باقاعدہ سزا بھی دینے کے لئے تیار ہیں۔ اہل سنت تو اہل بیت کی محبت جزو ایمان سمجھتے ہیں۔

اتحاد کیلئے بعض چیزوں سے دستبرداری: میں نے عرض کیا کہ اگر ہم مختلف مسلک کے لوگوں کو قریب کرنے کیلئے اخلاص سے کوشش کرنا چاہتے ہیں تو اس کیلئے ٹھوس اور فطری بنیادوں پر یہ عمل ہونا چاہیے۔ حضرات صحابہ کے محاسن و

کمالات کا اعتراف اوران سے عقیدت ومحبت از حد ضروری ہے۔وہ معیار ایمان ہے' تقریب بین المذاہب کے لئے ہمیں کچھ چیزوں سے دستبردار ہونا اور کچھ میں کسر وانکسار سے کام لینا پڑے گا۔

افتراق وتشتت کا سبب بننے والی چیزوں سے احتراز: یہ بحث وتمحیص کافی دیر تک چلتی رہی اس بحث کو سلجھانے کے لئے مولانا سمیع الحق نے فرمایا کہ ہمیں آئندہ ایسی چیزوں سے اجتناب کرنا ہوگا جو دل آزاری اور افتراق وتشتت کا سبب ٹھہرے۔یا اس سے صحابہ کرامؓ کی شخصیات متاثر ہوئے۔اگر ہم گزرے لوگوں (جنہوں نے ایسا کیا ہو) کے بارے میں فیصلہ نہیں کرسکتے ہیں تو کم اَز کم موجودہ لوگوں کو اتحاد و وحدت کی خاطر یہ امور چھوڑنے ہوں گے۔فرمایا کہ

تلک امة قد خلت لها ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون۔

برادرانہ لب ولہجہ اختیار کرنا: مولانا فضل الرحمٰن نے بھی بحث سمیٹتے ہوئے کہا کہ ہمیں آئندہ تحریر وتقریر ہر دو میں برادرانہ لب ولہجہ اختیار کرنا چاہیے تاکہ وحدت واتحاد کی امید ورجاء پیدا ہوسکے۔اس طرح سے یہ بحث اختتام پذیر ہوئی۔یہاں ہماری تواضع تازہ میوہ جات سے کی گئی۔رخصت ہوتے ہوئے ہمیں فقہ امام جعفر صادقؒ نامی کتاب جو کہ تین جلدوں پر مشتمل تھی' ہدیہ میں دی گئی۔

ایرانی انقلاب کے امام خمینی کے مزار پر: یہاں سے رخصت لینے کے بعد مغرب سے پون گھنٹہ قبل ہم واپس تہران کی طرف روانہ ہوئے۔چلتے وقت طے ہوا کہ راستہ میں ایرانی انقلاب کے رہبر امام خمینی کے مزار پر بھی رکیں گے۔اذان مغرب کے قریب ہم امام خمینی کے مزار پر پہنچے۔یہ مزار کیا تھا ایک بہت بڑا کمپلیکس تھا۔جو فی الحال زیر تعمیر تھا۔مزار کے چاروں کونوں پر چار بلند وبالا سنہری مینار اور بیچ میں طلائی کا گنبد دور سے نظر آتا ہے۔اس کے آس پاس کا احاطہ وسیع وعریض سبزے' خوبصورت پھولوں سے لدے ہوئے باغات اور سدابہار درختوں سے پُر نظر آرہا تھا۔لوگوں کی ایک بڑی تعداد تفریح کے لئے بھی جابجا بچوں کے ساتھ بینچوں اور سبزہ زار میں براجمان نظر آئی۔مزار کے اندرونی احاطہ میں وہ رش اور ہجوم دیکھنے میں نظر نہ آیا جس کا غالب گمان احقر نے ایران کی دیگر زیارت گاہوں کو زائرین سے معمور اور آباد دیکھتے ہوئے اپنے ذہن میں بنایا تھا۔خمینی صاحب کے ضریح کے اردگرد ایلومونیم کا جال بنایا گیا ہے جس کے اردگرد قرآنی آیات کی خوبصورت خطاطی کی گئی ہے۔اس ضریح کے اندر لاکھوں روپیہ مختلف کرنسیوں کی شکل میں نظر آیا۔امام خمینی کے پہلو میں ان کے بیٹے احمد خمینی بھی مدفون ہیں۔طواف وآہ بکاں کی صدائیں یہاں بھی دیگر مزارات کی طرح سننے میں آئیں۔

مزار کے احاطہ کے باہر ہم نے وضو بنانے کے بعد نماز مغرب باجماعت ادا کی۔اور اس کے بعد واپس تہران کی طرف روانہ ہوئے۔رات گئے تہران پہنچے۔

جناب شفیق الدین فاروقی

دارالعلوم کے شب وروز

دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کا اہم اجلاس

۱۵ر جولائی بروز اتوار ۲۰۰۷ء کو جامعہ دارالعلوم حقانیہ کا مجلس شوریٰ کا سالانہ اجلاس زیر صدارت حضرت مولانا عبدالحنان صاحب مدظلہ' فاضل دارالعلوم دیوبند' دارالعلوم حقانیہ کے سابقہ دارالحدیث میں منعقد ہوا۔ تلاوت قرآن مجید کے بعد نائب مہتمم حضرت مولانا انوارالحق صاحب مدظلہ نے مہمانوں کو خوش آمدید کہا اور شوریٰ کے اغراض و مقاصد اور ایجنڈا پیش کیا۔ بعد میں باضابطہ طور پر حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ مہتمم جامعہ نے سب سے پہلے شہدائے لال مسجد اور دارالعلوم حقانیہ کے قدیم فضلاء اور سفراء کی وفیات پر فاتحہ خوانی کی اور ان کے لئے خصوصی دعائے مغفرت کرائی گئی۔ اس کے بعد آپ نے سال ۲۸۔۱۴۲۷ھ کے آمد و خرچ کا تفصیلی میزانیہ پیش کرتے ہوئے جامعہ حقانیہ کے ملکی' ملی و دینی خدمات پر سیر حاصل روشنی ڈالی اور ادارہ ہذا کی قبولیت عامہ' روز افزوں ترقی کو اللہ کا خصوصی انعام اور جامعہ کے بانی اور اس کے مخلص ساتھیوں اور معاونین کا عظیم کارنامہ قرار دیا۔

سال گزشتہ کے آمد اور اخراجات کے بعد سال ۱۴۲۸ھ کیلئے مطلوبہ بجٹ جو کہ سال کے لازمی اور روزمرہ کے اخراجات پر مشتمل تھا' شوریٰ کے سامنے پیش فرمایا۔ اس کے علاوہ ادارہ کے بعض اہم ترین اور فوری نوعیت کے عزائم و منصوبے مثلاً وسیع و عریض جامع مسجد کی ضرورت' جدید ڈسپنسری کا قیام' ایک عدد ایمبولینس کی خریداری' جدید سہولیات سے آراستہ نئے کتب خانے کے لئے عمارت' اساتذہ و عملہ کے مشاہرات میں اضافہ' نئے کمپیوٹرز کے حصول' اساتذہ و دیگر ملازمین کے رہائشی مکانات کی تعمیر کی طرف اراکین شوریٰ کو متوجہ فرمایا۔ اراکین شوریٰ نے دارالعلوم حقانیہ کے کارہائے نمایاں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اپنے بہترین آراء و تجاویز سے ادارہ کے منتظمین کو نوازا۔ اس عزم کا اظہار فرمایا کہ حقانیہ کے مزید ترقی و استحکام کے لئے ہم ایک بار پھر حضرت شیخ الحدیثؒ کے مخلص رفقاء کا کردار ادا کرنے کی کوشش کریں گے۔ شوریٰ نے سالانہ بجٹ کے منظوری کے ساتھ آئندہ عزائم کے ابتدائی اخراجات کے طور پر منظوری توکلاً علی اللہ بامید آمد اس یقین کے ساتھ دی کہ اللہ تعالیٰ اہل خیر کے ذریعہ اس کے مہیا کرنے کی صورتیں پیدا فرماویں گے۔ بعد میں مہمانوں کی ضیافت کے لئے دارالحدیث میں ظہرانے کا انتظام کیا گیا۔

دارالعلوم کی تعلیمی کمیٹی کا خصوصی اجلاس: ۱۴ر جولائی کو دارالعلوم کے عظیم الشان کتب خانے میں مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی صدرت میں اعلیٰ سطحی اساتذہ کرام اور انتظامیہ کا مشترکہ اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس میں

سارے سال کے تعلیمی صلاحیتوں کا بھر پور جائزہ اور احتساب کیا گیا۔ اور دارالعلوم اور وفاق المدارس کے سالانہ امتحانات کے سلسلے میں خصوصی تجاویز پر غور وخوض کیا گیا۔اور اساتذہ کرام کی مختلف کمیٹیاں بنائی گئیں جو طلباء کے امتحانی تیاری کے سلسلے میں خصوصی نگرانی کریں گے۔اس کے علاوہ اجلاس میں اس نکتہ پر بھی کافی غور وخوص کیا گیا کہ ملکی اور خصوصاً صوبہ سرحد کے دگرگوں حالات کے پیش نظر اس سال دارالعلوم حقانیہ کی تقریب دستار بندی نہ کرانے کا متفقہ فیصلہ کیا گیا۔ کیونکہ مختلف دین دشمن عناصر اور خصوصاً کچھ پڑوسی مخالف ممالک دارالعلوم کی دن دگنی رات چوگنی ترقی سے سخت نالاں ہیں اور انکے بُرے عزائم دارالعلوم حقانیہ کے بارے میں وقتاً فوقتاً سامنے آتے رہتے ہیں۔ اسی بنا پر اس سال تقریب دستار بندی، حفاظتی نکتہ نگاہ سے منسوخ کردی گئی۔ صرف بخاری شریف کی آخری حدیث کے موقع پر غیر اعلانیہ طور پر اجتماعی دعا کرائی جائے گی۔ قارئین اور دارالعلوم کے فضلاء کو خصوصی طور پر اس کی اطلاع دی جارہی ہے۔

کینیڈا کے صحافیوں کی دارالعلوم آمد:

گزشتوں دنوں کینیڈا کے معروف ٹی وی چینل کی ٹیم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ سے انٹرویو لینے کیلئے دارالعلوم آئی۔ حضرت مولانا مدظلہ نے انٹرویو میں دینی مدراس کی اہمیت' نصاب تعلیم کی افادیت' اور اسلامی معاشرہ میں مدارس کے کردار کے بارے میں تفصیلی روشنی ڈالی۔ اسکے علاوہ حضرت مولانا مدظلہ نے ملکی حالات اور خصوصاً عالم اسلام کو درپیش مسائل پر بھی تفصیلی تبادلہ خیال کیا اور اسکے علاوہ مغرب کے دوہرے معیار اور اسلام کے بارے میں مغرب کے تعصب اور اسلام دشمنی پر مبنی پالیسیوں پر بھی آپ نے کھل کر تنقید کی۔ بعد میں صحافیوں نے دارالعلوم کے مختلف شعبہ جات کا معائنہ کیا اور دارالعلوم کے مثالی نظم ونسق کی کھل کر تعریف کی۔

سعودی عرب کے معروف اخبار ''عکاظ'' کے مدیر اور میڈیا کے دیگر صحافیوں کی دارالعلوم آمد:

گزشتہ دنوں پاکستان کے خصوصی دورے پر آئے ہوئے معروف سعودی اخبار'' عکاظ'' کے مدیر اول جناب فہیم حامد الحامد صاحب حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ سے ملاقات اور انٹرویو کیلئے دارالعلوم تشریف لائے اور آپ نے حضرت مولانا مدظلہ سے خصوصی طور پر سانحہ لال مسجد کے واقعات اور اسکے اثرات کے متعلق تفصیلی انٹرویو ریکارڈ کیا۔ جس پر حضرت مولانا مدظلہ نے اپنے غم وافسوس کا اظہار کھل کر کیا۔ انٹرویو میں عالم اسلام کو درپیش اہم مسائل پر بھی تفصیل سے حضرت مولانا مدظلہ نے روشنی ڈالی۔ اسکے علاوہ پاکستان کے معروف پشتو ٹی وی چینل ''خیبر'' نے بھی حضرت مولانا مدظلہ سے دارالعلوم حقانیہ اور اکوڑہ خٹک کی تاریخ کے بارے میں ایک تفصیلی انٹرویو ریکارڈ کیا۔ اسکے علاوہ جرمن کے ون ورلڈ ریڈیو کے اہم پروڈیوسر مسٹر تھامس کروچیم نے بھی دارالعلوم کا دورہ کیا اور مولانا مفتی مختار اللہ حقانی صاحب سے نصاب تعلیم اور مدارس کے بارے میں تفصیلی انٹرویو ریکارڈ کیا

ادارہ

تعارف تبصرہ کتب

کتاب: اصلاحی مواعظ　　افادات : حضرت مولانا سید محمد یوسف شاہ صاحب حقانی

مرتب　مولانا سید محمود الحسن شاہ صاحب　ضخامت: ۴۹۴ صفحات　قیمت: درج نہیں

ناشر: مکتبہ سادات ہارون ضلع اٹک

زیر تبصرہ کتاب کی تقریظ میں استاذ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں ''محترم و مکرم حضرت مولانا سید محمد یوسف شاہ صاحب ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ ہیں' مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم حقانیہ کے اجل ممتاز فضلاء کرام میں بفضلہ تعالیٰ سرفہرست ہیں اور علاقہ چھچھ (ضلع اٹک) کے علمی عبقری شخصیات میں جانی پہچانی علمی شخصیت ہیں۔

بندہ نے زیر نظر ان کے وقیع جاندار دلکش انیس خطبات و مواعظ حسنہ کے جستہ جستہ مقامات کا بنظر غائر مطالعہ کیا۔ ماشاء اللہ شاہ صاحب کے ان متنوع ایمان افروز روح پرور مقالات کے پڑھنے سے دل و دماغ منور اور معطر ہوئے۔ محترم شاہ صاحب نے بے شمار اکابر علماء کرام خطبائے عظام کی نورانی محفل میں شرکت کی سعادت حاصل کی اور حرم نبوی شریف میں قطب العالم حضرت حافظ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستی قدس اللہ سرہ العزیز سے خصوصی اجازت حدیث کا شرف حاصل کیا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کو فہم سلیم اور طبع مستقیم سے نوازا ہے' قوی الحافظہ میں بزرگوں کے زرین اقوال و حکایات اور مقتضائے حال اور موقع و محل کے مناسب برجستہ عجیب و غریب مثالوں سے اپنے موضوع کو خوب متشرح فرماتے ہیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ رنگارنگ خطبات و مواعظ کا گنجینہ شاہ صاحب کی تقاریر کا حسین گلدستہ ہے۔ جو انہوں نے مختلف علمی و دینی اور مذہبی اجتماعات میں فرمائی ہیں' اب افادۂ عام کی خاطر ان خطبات کو سلیس شستہ اور شگفتہ اردو زبان میں کتابی شکل میں یکجا کر دیا گیا ہے۔

استاذ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب مدظلہ نائب مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ان اصلاحی مواعظ کے متعلق رقمطراز ہیں ''زیر نظر مسودہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے قابل اور جید فارغ التحصیل اور میرے مشفق و مہربان دوست حضرت مولانا محمد یوسف شاہ صاحب کے بیانات واذکار کا مجموعہ ہے بعض چیدہ چیدہ مقامات کے مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ یہ ذخیرہ بعض اہم نوعیت مثلاً قرآن پاک کی خصوصیت فضائل قرآن پیغمبر خدا کے امت پر

حقوق اور امت مسلمہ کے اتحاد جیسے مسائل پر مشتمل ہے۔شاہ صاحب کے بیان میں اپنے شیخ و مربی اور استاذ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ کے طرز بیان کی جھلک احسن طریقہ سے موجود ہے جیسے ان کا انداز بیان سلیس سادہ اور عام فہم مگر مطلب و معنی سے بھرپور ہوتا تھا۔مولانا محمد یوسف شاہ کا طرز خطابت بھی ان کے بہت قریب ہے۔قرآن وحدیث کی روشنی میں بعض تاریخی حیرت انگیز واقعات اس انداز سے جمع کئے گئے ہیں۔جو قارئین کی اصلاح کے لئے انتہائی کارآمد ثابت ہوگی۔اللہ رب العزت مولانا موصوف کی کوششوں کو قبولیت سے ہمکنار فرماویں۔آمین

ماہنامہ: مسیحائی کراچی خصوصی اشاعت قرآن نمبر ۔ مدیراعلیٰ: احمد خیرالدین انصاری

ضخامت: 648 صفحات قیمت : 400 روپے

ناشر: بی۔197 بلاک نمبر A نارتھ ناظم آباد کراچی 74700

زیر تبصرہ خصوصی اشاعت میں قرآن نمبر ماہنامہ مسیحائی کراچی میں قرآن کریم کے متعلق مختلف پہلوؤں سے مضامین ومقالات یکجا کئے گئے ہیں۔جس کا اندازہ مضامین کے طویل فہرست سے کیا جاسکتا ہے۔ماہنامہ مسیحائی کراچی نے مختلف اوقات میں خصوصی اشاعتوں کا اہتمام کیا ہے۔مثلاً سیرت رسول نمبر ۱۹۹۹ء' سیرت الرسول نمبر ۲۰۰۰ء' سیرت رسول ﷺ نمبر ۲۰۰۳ء جو کہ ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن صاحب کی ادارت میں شائع ہوا تھا اور بعد میں صدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ناموس رسالت ﷺ نمبر ۲۰۰۴ء 'ہادی اعظم نمبر ۲۰۰۵ء خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔

زیر تبصرہ خصوصی اشاعت بھی اسی سلسلہ کی زریں کڑی ہے جس میں کارپردازان جریدہ نے انتہائی عرق ریزی اور محنت سے پُر مغز مضامین کا انتخاب کرکے اردوداں طبقہ کے لئے ایک بہترین سوغات اور خوبصورت گلدستہ تیار کیا ہے' بلاشبہ ذخیرہ کتب سیرت میں ماہنامہ مسیحائی کراچی کی یہ خصوصی اشاعت بہترین اضافہ ہے۔اور یہ ضخیم نمبر اس قابل ہے کہ اس کو ہر لائبریری کی زینت بنایا جائے۔امید ہے کہ اشاعت ثانی میں مدیران گرامی اس خصوصی نمبر کی نوک پلک سنوارنے کی طرف مزید توجہ دیں گے۔

خط وکتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔

اپنے مضامین بذریعہ ای میل بھی بھیج سکتے ہیں: editor_alhaq@yahoo.com

یکم شعبان تا 19 رمضان المبارک

بمقام دار العلوم مدنیہ رسول پارک ملتان روڈ لاہور

دورہ تفسیر قرآن

باسلوب امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ محدث دہلوی

شیخ الحدیث والتفسیر
حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان مدظلہ
نہایت شرح وبسط سے پڑھائیں گے
انشاء اللہ

موضوع سورۃ، دعاوی، دلائل، ہر سورۃ کا ماحصل، سورتوں کا باہمی ربط
احکام واستنباط، اعتبار وتاویل، سیاست، امامت وخلافت

پیش آمدہ جدید فقہی مسائل ودیگر اہم مباحث کے ساتھ حضرت مفتی محمد عیسیٰ خان صاحب کی اعجاز الصرف واعجاز النحو کا تکرار اور عربی قواعد کے تحت قرآنی الفاظ کے صیغے اور مشکل آیات کا نحوی ترکیبی حل۔ نیز علم میراث میں نظم الفرائض (تلخیص رسالہ سراجیہ)

ضروری وضاحت طالب علم درجہ رابعہ کی تعلیم حاصل کر چکا ہو، طالبہ عالمیہ کی تعلیم حاصل کر چکی ہو۔ ہر ہفتہ کے خواندہ کا تحریری امتحان ہوگا۔ سابق مدرسہ سے تعلیمی تصدیق نامہ اور قومی شناختی کارڈ ذاتی / والد / سرپرست ہمراہ لائیں۔ طالبات کے لئے انتہائی محدود داخلہ ہے۔

اجمالی تعارف دار العلوم مدنیہ لاہور

☆ دار العلوم مدنیہ کی مسجد کا سنگ بنیاد ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ بمطابق 14 اکتوبر 1977ء بروز اتوار وقت کے مشاہیر علماء کرام ومشائخ عظام کے مبارک ہاتھوں رکھا گیا۔

☆ ابتدائی پانچ سال بانی مدرسہ حضرت مولانا محب النبی صاحب زید مجدہ تمام تدریسی وانتظامی ذمہ داریاں تنہا سرانجام دیتے رہے۔

☆ 1996ء، 1417ھ کو شعبان اور رمضان میں دورہ تفسیر کا آغاز ہوا جو مسلسل جاری ہے۔

☆ ۱۴۲۶ھ میں دار العلوم کا وفاق المدارس سے الحاق کرایا گیا

☆ دس سال کی قلیل مدت میں دار العلوم علمی ترقی کی منازل طے کر کے موقوف علیہ تک جا پہنچا۔

☆ دار العلوم میں داخل طلباء کی تعداد تین سو سے متجاوز ہے۔

☆ دار العلوم میں مقیم طلباء کو رہائش، طعام، لباس، علاج، درسی کتب، بستر وغیرہ تمام سہولیات مدرسہ کی طرف سے مفت فراہم کی جاتی ہیں۔

☆ سالانہ اخراجات کا تخمینہ 40 لاکھ سے زائد ہے۔ تعمیراتی اخراجات اس کے علاوہ ہیں۔ دار القرآن والے احاطہ میں تعمیر جاری ہے۔

☆ تمام اخراجات اہل خیر کے تعاون سے پورے ہوتے ہیں۔ مدرسہ کی مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں اور نہ ہی مدرسہ کی طرف سے کوئی گشتی سفیر اندرون شہر یا بیرون شہر متعین ہے اور نہ ہی مدرسہ کسی حکومتی ادارے محکمہ زکوٰۃ وغیرہ سے تعاون لیتا ہے اہل خیر خود ہی تعاون فرما کر عند اللہ ماجور ہوں

منجانب: اراکین دار العلوم مدنیہ رسول پارک لاہور فون: 042-7832305 0321-4110310

پہنچنے کا راستہ: یادگار چوک سے مانگا والی ویگن، اسٹیشن سے ویگن نمبر 9 کوکا کولا موڑ، مغرب کی طرف گلی میں

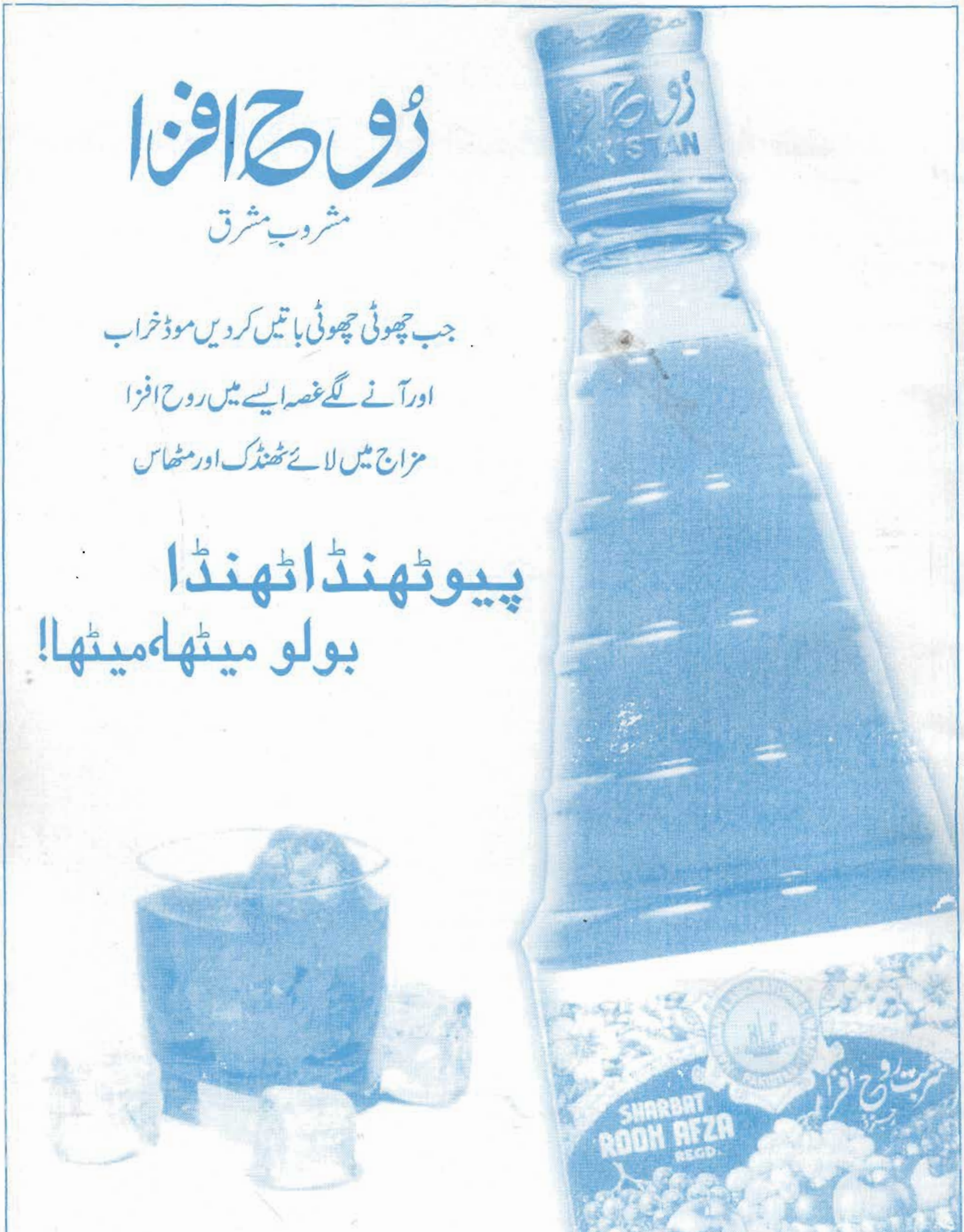
روح افزا
مشروبِ مشرق
جب چھوٹی چھوٹی باتیں کر دیں موڈ خراب
اور آنے لگے غصہ ایسے میں روح افزا
مزاج میں لائے ٹھنڈک اور مٹھاس
پیو ٹھنڈا ٹھنڈا
بولو میٹھا میٹھا!
SHARBAT
ROOH AFZA
REGD.
ہمدرد
SGS
ہمدرد لیبارٹریز (وقف) پاکستان
ISO 9001: 2000 CERTIFIED
www.hamdard.com.pk

Regd No. P-90 Monthly "Al-Haq" Akora Khattak

مطبوعات مؤتمر المصنفین جامعہ حقانیہ

نمبر شمار	نام کتاب	تصنیف	افادات	صفحات
۱	حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذیؒ	حضرت مولانا سمیع الحق	شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ	۵۳۲
۲۔	دعواتِ حق ۔(مکمل دو جلد)	" " "	" " " " "	۱۱۹۲
۳۔	قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ	" " "	" " " " "	۴۰۰
۴۔	عبادات وعبدیت	" " "	" " " " "	۸۸
۵۔	مسئلہ خلافت وشہادت	" " "	" " " " "	۱۰۴
۶۔	صحبتے با اہل حق (مجلد)	مولانا عبدالقیوم حقانی	" " " " "	۴۰۸
۷۔	اسلام اور عصر حاضر (مجلد)	حضرت مولانا سمیع الحق	حضرت مولانا سمیع الحق	۴۶۰
۸۔	قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق	" " "	" " " " "	۹۲
۹۔	کاروان آخرت (مجلد)	" " "	" " " " "	۴۴۲
۱۰	شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ خصوصی نمبر	مولانا عبدالقیوم حقانی	" " " " "	۱۲۰۰
۱۱۔	قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف	حضرت مولانا سمیع الحق	" " " " "	۲۰۸
۱۲	قادیان سے اسرائیل تک	" " "	" " " " "	۲۲۴
۱۳۔	قومی اور ملی مسائل پر جمعیت کا موقف	" " "	" " " " "	۔
۱۴۔	میری علمی اور مطالعاتی زندگی (مجلد)	" " "	" " " " "	۵۶۰
۱۵۔	ردی الحاد	" " "	" " " " "	۲۲۰
۱۶۔	فتاویٰ حقانیہ	مولانا مفتی مختار اللہ	حضرت شیخ الحدیث ومفتیان حقانیہ	۳۶۰۰
۱۷۔	خطبات حق	" " "	حضرت مولانا سمیع الحق	۴۵۰
۱۸	نظام اکل وشرب	" " "	" " " " "	۴۵۰
۱۹۔	صلیبی دہشت گردی اور عالم اسلام	مولانا عبدالقیوم حقانی	" " " " "	۵۰۰
۲۰۔	شرح شمائل ترمذی		" " " " "	زیر طبع
۲۱	مروجہ کرنسی کیلئے معیار نصاب سونا یا چاندی	مولانا مفتی مختار اللہ	مولانا مفتی مختار اللہ	۱۰۰
۲۲	انوارِ حق (جلد اول)	حافظ سلمان الحق حقانی	حضرت مولانا انوار الحق حقانی	۲۶۰

مؤتمر المصنفین ○ جامعہ دارالعلوم حقانیہ ○ اکوڑہ خٹک